

نقشہ اوقات نماز کے بارے میں

اختلاف اکابر کی حقیقت اور جمہور کا عمل

بعض اکابر کے اختلافی نقطہ نظر کی
وضاحت کیا اکابر نے 15 درجے کا
فتویٰ دینی دیا تھا اور اس دوران جو فیصلہ ہوا وہ
سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی؟
اکابر کے دور میں 18 والی تحقیق کس کی تھی؟
18 کے اثبات میں اکابر کے
مشاہدات کہاں ہیں؟ در نظر تحریر میں
اس قسم کے حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

مصنف

مولانا ڈاکٹر شوکت علی قاسمی

مکتبہ فریدیہ محلہ جنگلی پشاور

0300-9058225- 0332-9280480

نقشہ اوقات نماز کے بارے میں

اختلاف اکابرؒ کی حقیقت اور جمہور کا عمل

بعض اکابرؒ کے اختلافی نقطہ نظر کی وضاحت۔ کیا اکابرؒ نے 15 درجے کا فتویٰ
وقت دیا تھا اور اس دوران جو فیصلہ ہوا وہ سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی؟ اکابرؒ
کے دور میں 18 والی تحقیق کس کی تھی؟ 18 کے اثبات میں اکابرؒ کے مشاہدات
کہاں ہیں؟ زیر نظر تحریر میں اس قسم کے حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

مولانا شوکت علی قاسمی

نام کتاب : نقشہ اوقات نماز کے بارے میں
اختلاف اکابر کی حقیقت
اور جمہور کا عمل

مصنف : مولانا شوکت علی قاسمی

کمپوزنگ : حافظ ذیشان علی

صفحات : 80

اشاعت اول : شوال، ۱۴۳۲ھ / ستمبر 2011ء

اشاعت دوم : ربیع الثانی، ۱۴۳۹ھ / دسمبر 2017ء

ناشر : ادارہ فرقان صوابی

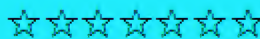
جملہ حقوق بحق ادارہ فرقان صوابی محفوظ ہیں

﴿ آئینہ کتاب ﴾

صفحہ نمبر	عنوانات
۶	پیش لفظ
۱۱	چند اکابر رحمہم اللہ کا اختلاف
۱۳	مفتی رضوان کے کلام کا اجمالی جائزہ
۱۴	تفصیلی وضاحت
۱۴	پرائے نقشوں پر اکثریت کا تعامل؟
۱۸	ازالہ شبہ
۱۸	محض عملی اتفاق کا اعتبار نہیں
۲۲	امکانِ خطاء
۲۵	لحمہ فکریہ
۲۶	کیا واقعی 18 درجے پر مبنی نقشے کو قبولیت عامہ حاصل ہے؟
۲۷	نقشے کی بجائے مشاہدے پر اعتماد

صفحہ نمبر	عنوانات
۲۷	فنی باریکیوں سے عدم واقفیت
۲۹	محض علمی اختلاف کو کافی سمجھنا
۳۲	18 درجے والی تحقیق کس کی؟
۳۶	ایک دلچسپ
۳۷	ہماری طرف سے جوابی خط کا ایک اقتباس
۴۲	ٹنڈو آدم کے مشاہدات کی حیثیت؟
۴۵	مجلس منعقدہ دارالعلوم کراچی ۱۳ ذی قعدہ ۱۴۹۲ھ
۴۸	18 والوں سے گزارش!
۴۹	اختلاف اکابر میں نقطہ بحث کیا ہے؟
۵۰	حقیقت کیا ہے؟
۵۲	دونوں میں فرق
۵۳	اظہار حق اور اکابر کا احترام
۵۴	خلاصہ کلام
۵۶	مفتی رضوان صاحب کی طرف سے جوابی کارروائی اور اس کا جائزہ ..
۶۰	کشف الغطاء کا حوالہ
۶۳	حضرت مولانا روحانی بازمیؒ
۶۶	کشف الغطاء کے مؤلف کی خدمت میں گزارش

صفحہ نمبر	عنوانات
۶۷	حیرت کی انتہاء
۷۰	سر تھام کر پڑھیں
۷۳	موصوف (مفتی رضوان) سے چند سوالات
۷۴	کیا اکابر نے ۵ اور بے کافصلہ نہیں کیا تھا؟
۷۶	قارئین کرام سے گزارش



پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)۔۔۔۔۔ یہ تحریر کوئی مستقل تالیف نہیں ہے بلکہ درحقیقت یہ راقم کے ایک تبصرے (جوابی کتاب) کا ایک حصہ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ راولپنڈی میں ”ادارہ غفران“ سے مفتی رضوان صاحب نے صبح صادق اور صبح کاذب کے حوالے سے ایک کتاب شائع کی، جس کی ایک کاپی ہمارے پاس تبصرے کے لئے بھیج دی گئی۔ اس کتاب کے ایک حصے میں صبح صادق کے حوالے سے اکابرؒ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع اور حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہما اللہ) کے اختلاف کا تذکرہ کر کے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ 15 درجے پر صبح صادق ایک انفرادی رائے اور محض ایک ناقابل عمل قول ہے جبکہ 18 درجے والا قول صرف ایک قول نہیں بلکہ حضرات اکابرؒ کی جانب سے تحقیقی مراحل سے گزر کر ایک متفق علیہ اور واجب الاتباع فیصلہ ہے۔ جس کی رو سے 18 درجے کے وقت پر صبح کی نماز بالکل جائز جبکہ روزوں میں سحری کھانا بند ہو جاتا ہے۔

(۲)۔۔۔۔۔ کتاب مذکور میں بزرگان اکابر کے اختلاف کے حوالے سے جو کلام کیا گیا تھا اس میں نہ صرف یہ کہ بہت سارے حقائق نظر انداز کر دیے گئے تھے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حضرات اکابرؒ کے رجوع پر طبع کاری کر کے ایک خود ساختہ ڈھنگ میں پیش کیا گیا تھا۔ گویا کہ اصل واقعے پر دو طرح کے وار کر کے تاریخی حقیقت کو بالکل تبدیل کر دی گئی تھی، ہم نے کتاب مذکور پر مکمل تبصرہ کر کے ”کشف الغطاء عن اوقات الفجر والعشاء“ کے نام سے کتاب تحریر کر کے

موصوف کی خدمت میں ارسال کر دی تھی۔ اسی تبصرے میں دیگر مقامات کی طرح اکابر کے اختلاف پر بھی کافی کلام کیا گیا۔

(۳)۔۔۔۔۔ راقم کے پاس صبح صادق اور کاذب کی تحقیق میں تقریباً 6 سال مطالعے اور سینکڑوں علماء سے بالمشافہ ملاقات و مذاکرات کے سروے سے جو نتیجہ سامنے آیا وہ یہ ہے کہ 18 درجے والوں کی اکثریت نہیں بلکہ سب کے سب محض اس وجہ سے اس قول کو حق سمجھ رہے ہیں کہ اکابر حضرات نے 18 درجے کو اختیار فرمایا ہے۔ اب ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہیں آگے نہیں پتہ کہ ان بزرگوں نے 18 درجے پر صبح صادق کیسے تسلیم کیا ہے؟ اور اس وقت صورت حال کیا بن گئی تھی؟ صبح صادق کے حوالے سے تحقیقاتی کام کس طرح شروع ہوا؟ کن کن مراحل میں یہ کام کس کس کی نگرانی میں کہاں کہاں سے گزرتا رہا؟ اور اسی تحقیقی سلسلے میں خارجی امور نے کس حد تک مداخلت کر کے اپنا اثر دکھایا ہے؟

(۴)۔۔۔۔۔ اسی طرح آج بھی 18 والوں میں سے ہمارے اہل علم ساتھیوں کی اکثریت ایسی ہے جنہیں مذکورہ بالا نکات کے علاوہ اتنا نہیں معلوم کہ یہ مسئلہ شرعی ہے یا فنی؟ اور اس میں خارجی اور فنی عوامل کی مداخلت کا دائرہ اثر کتنا ہونا چاہئے؟ اس حوالے سے کن لوگوں کی باتیں حجت کی حیثیت رکھتی ہیں اور کن کی نہیں رکھتی؟ اوقات نماز (بالخصوص صبح و عشاء) کے حوالے سے ماضی میں اہل علم اور عام مسلمانوں کا عمل کیا رہا ہے؟ آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں کتنے فیصد اہل علم اسی فلسفے کو صحیح طرح کے سمجھے ہوئے ہیں؟ اس حقیقت کا کھوج لگا کر (سنی سنائی باتوں پر نہیں بلکہ) حقائق پر مشتمل سروے کن لوگوں نے کیا ہے؟ اور اس سے کس قسم کے نتائج کتنے فیصد سامنے آئے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے متعدد نکات ہیں جنہیں سمجھنا ان لوگوں کے فرائض میں شامل ہیں جو اکابر کی طرف سے 18 درجے کا دفاع کر کے

تحریک میں پیش پیش ہیں، بالخصوص ہمارے وہ احباب جو کسی طرح بھی کسی قسم کی بات سننے کو نہیں تیار، ان کو اگر ان مبادیات کا علم نہیں ہے تو وہ محض اکابر کی تائید کا علم رکھتے ہوئے خود تو اس پر عمل کر سکتے ہیں مگر دوسروں کو 18 درجے کے واجب الاتباع ہونے کی ترغیب دینے اور 15 درجے کی مخالفت کا ان حضرات کو کوئی حق حاصل نہیں۔

(۵)۔۔۔ نماز فرض ہے اور اسے صحیح وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے۔ اور اس حقیقت سے 18 درجے والے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ 15 درجے پر نماز فجر پڑھنا بالکل صحیح وقت میں پڑھنا کہلاتا ہے۔ اسی طرح انہیں یہ بھی پتہ ہے کہ 15 درجے سے پہلے ان کے نزدیک پڑھنا صحیح وقت میں پڑھنا کہلاتا ہے مگر 15 والوں کے نزدیک اس وقت قطعاً نماز نہیں ہوتی۔ اب دیکھا جائے تو 15 درجے کے بعد سب کے نزدیک نماز پڑھنا جائز ہوا جبکہ 18 درجے کے بعد اور 15 درجے سے پہلے صرف 18 والوں کے نزدیک جائز ہوا اور باقی یعنی قائلین 15 کے نزدیک ناجائز ہوا۔ اب خدا خوفی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی مخالفت نہ کی جائے جو یہ کہتے ہیں کہ نماز اس وقت پڑھو جس وقت یقینی طور پر وقت داخل ہو، اور وہ معلوم ہوا کہ 15 درجے کے بعد کا وقت ہے۔ کیونکہ اس (15 درجے کے) وقت میں نماز فجر پڑھنے کے جواز سے یہ (18 والے) لوگ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ محض اکابر کے نام پر 18 درجے کی تحریک چلا کر کوئی اسلامی طریقہ نہیں۔ اور نہ یہ عوام المسلمین کے اعتماد پر پورے اتارنے کا مثبت مظاہرہ ہے، اور نہ اس کا تعلق نماز کی حفاظت کے ساتھ ہے بلکہ یہ محض اپنے نظریے کی جنگ کہلائے گی۔ جس میں عوام کو بے شک حقائق کے حوالے سے اندھیرے میں رکھی جائے، تو کوئی بات نہیں مگر اپنا نظریہ لوگوں میں پھیل جائے تو یہ کامیابی ہے۔

(۶)۔۔۔ اکابر کے نام پر صوابی کے چند علماء و فضلاء نے اکھٹا ہو کر ایک مشترکہ فیصلہ کیا ہے کہ

ہم 18 درجے پر ہی عمل کریں گے۔ اور اسی اجتماعی فیصلہ کی حیثیت ان کے زعم میں مضبوط بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔ مگر علم کے باوجود شاید ان کے خیال میں یہ بات نہ ہو کہ اصول تحقیق کے حوالے سے کوئی بھی دعویٰ اس وقت مضبوط سمجھا جاتا ہے جب اس کے دلائل قوی ہوں، ورنہ عدالتوں میں سب سے پہلے یہ دیکھا جاتا کہ کوئی کیس اکثریت کے خلاف تو نہیں دائر ہوا یا مدعی کی تعداد مدعا علیہ سے کم تو نہیں؟ بلکہ ہوتا اس طرح بھی ہے کہ بعض اوقات فرد واحد پوری قوم یا ادارے کے خلاف کیس کرتا ہے اور وہ جیت جاتا ہے تو ہمارے ان مہربانوں نے اس طرف آج تک التفات نہیں فرمایا کہ 15 درجے کی تحقیق کو کم از کم ایک دفعہ اتمام حجت کے طور پر پڑھ لے، حالانکہ مسئلے کی نوعیت کو دیکھا جائے تو ان کا فرض یہ بنتا تھا کہ اس حوالے سے بالخصوص 15 درجے کی تحقیق کا مطالعہ کر کے دونوں احوال کو دلائل کی روشنی میں پرکھتے۔ مگر ان حضرات نے مطالعہ کرنے اور حقیقت کو تلاش کرنے کی بجائے چند علماء اور فضلاء کو اکٹھا کر کے 18 درجے صبح صادق پر اتفاق رائے لینا شروع کر دیا گویا کہ ان کے نزدیک اس مسئلے کا تعلق کسی حکم شرعی کے ساتھ نہیں بلکہ انتظامی امور کے ساتھ ہے۔

(۷)۔۔۔۔۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ ان دوستوں کی اکثریت اس بات سے متاثر ہے کہ اکابر حضرات 18 درجے کے قائل تھے۔ اور اکابر بزرگوں نے اس حوالے سے کسی کی محض تائید نہیں فرمائی، بلکہ خود پوری تحقیق کر کے اس مسئلے کا ہر پہلو سے جائزہ لیا ہے۔ تب جا کر انہوں نے 18 درجے پر صبح صادق کا اعلان فرمایا ہے۔ اور اس تحقیق میں وہ حضرات کسی سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ ان کے سامنے اس مسئلے کا شرعی اور فنی دونوں رخ واضح طور پر موجود تھے، تب انہوں نے 15 درجے کی بجائے 18 درجے پر صبح صادق کا فتویٰ جاری فرمایا۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ ہم نے ضرورت محسوس کی کہ ان حضرات کے سامنے ان حقائق کو

پیش کیا جائے جو اکابر کے اختلاف پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

(۸)۔۔۔۔۔ زیر نظر رسالہ درحقیقت اس تبصرے کا ایک حصہ ہے جو مفتی رضوان صاحب کی کتاب ”صحیح صادق اور کاذب“ کے جواب میں ”کشف الغطاء“ کے نام سے لکھا گیا ہے۔ چونکہ ہمارے دوستوں اور مفتی صاحب کے مغالطے اور اشکالات کی نوعیت ایک ہے، لہذا اس موضوع پر مستقل طور پر الگ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ اس تبصرے سے ہمارے کرم فرماؤں کے اشکالات بھی ان شاء اللہ رفع ہو جائیں گے۔

(۹)۔۔۔۔۔ اگلے صفحات میں جہاں ”مصنف“ کا لفظ آتا ہے اس سے مراد محترم مفتی محمد رضوان صاحب ہیں۔ اور جہاں پر مصنف کی کتاب کا تذکرہ آتا ہے اس سے مراد مفتی صاحب کی وہ تالیف ہے جو ”صحیح صادق و کاذب“ کے نام سے ”ادارہ غفران“ نے شائع کی ہے۔ اور جہاں ”کتاب کے صفحات“ وغیرہ کا حوالہ آتا ہے، اس سے مراد مذکورہ بالا کتاب کے صفحات ہیں۔

شوکت علی قاسمی

ادارہ فرقان صوابی

۲۳ شوال ۱۴۳۲ھ

چند اکابر رحمہم اللہ کا اختلاف

.....صفحہ نمبر ۱۶۸ تا صفحہ نمبر ۱۷۷.....

ان صفحات میں محترم مصنف چند اکابر رحمہم اللہ کے اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب و حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمہما اللہ دو دیگر چند اکابر حضرات کو ایک مرتبہ صبح صادق سے متعلق رائج قدیمی جنزیوں کے متعلق (جو ۱۸ درجے کے مطابق تھیں) کچھ تردید مذہب پیدا ہو گیا تھا، مگر بعد میں تحقیق و تفتیش کے بعد ان حضرات کا یہ تردید مذہب ختم ہو گیا، لیکن حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کی آخر تک تحقیق یہ رہی کہ صبح صادق اور عشاء کا وقت پندرہ وچہ زرافق ہوتا ہے۔ اس قضیہ کی پوری حقیقت معلوم نہ ہونے سے بعض حضرات مختلف شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لئے اس تردید اور رجوع کی حقیقت پر خود ان حضرات اکابر کی تحریرات سے قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے..... (صفحہ نمبر ۱۶۸)

اس کے بعد اکابر کی وہی عبارات نقل فرمائی ہیں جو کہ احسن الفتاویٰ میں تحریر ہیں۔ واقعی ان تحریرات میں رجوع کا اقرار اور پرانے نکتوں کی تصدیق موجود ہے۔

محترم مصنف مفتی محمد شفیع کی عبارت کے بعد فائدہ کے تحت لکھتے ہیں کہ اکابر حضرات

جب پاکستان میں آگئے تو پرانے نقشوں کے طلوع و غروب جانچنے کے بعد باقی اوقات پر بھی اعتماد کر چکے۔ آگے لکھتے ہیں:

”اور درمیان میں بعض اہل علم حضرات کی طرف سے جدید و قدیم اہل فن کے کچھ اقوال پیش کر کے ان اہل علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی میں یہ باور کرایا گیا کہ اس قدیم جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا وقت ہے جس کے بعد اس احتمال کی بنیاد پر ممکن ہے کہ نئے اہل فن نے صبح کاذب و صادق میں فرق نہ کیا ہو اور کاذب ہی کو صبح صادق کہہ دیا ہو، حضرت مفتی صاحب ”کو صبح صادق کے معاملے میں تردد ہو گیا اور اس دوران احتیاطاً سحری کا کھانا قدیم جنتری کے مطابق بند کرنے اور فجر کی نماز چدرہ میں منٹ بعد پڑھنے کو اختیار فرمایا۔ لیکن جب حضرتؒ نے بعض اہل فن حضرات کے ساتھ بحث و تہیص کی اور جدید فلکیات کی بعض کتابوں کی طرف مراجعت فرمائی تو اس تحقیق و تہیص کے نتیجے میں آپ کا وہ تردد رفع ہو گیا اور محقق طے ہو گیا کہ جدید ماہرین فلکیات نے خود صبح کاذب کو صادق سے الگ کر کے بیان کیا ہے، اور وہ درحقیقت رات کا حصہ ہے، اور اس کے بعد جو صبح صادق ہوتی ہے، اس کو انہوں نے صبح کہا ہے۔“ (صبح صادق و کاذب، مفتی رضوان، ص: ۱۷۰)

احقر (راقم) عرض کرتا ہے کہ عبارت بالا کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱)..... اکابر حضرات ابتداء سے قدیمی نقشے کو درست سمجھتے تھے۔

(۲)..... بعض اہل علم نے علم کی اپنی نئی تحقیق کی روشنی میں یہ باور کرایا، کہ اس قدیم

جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا وقت ہے۔

(۳)..... یہی باور انہی قدیم جنتریوں کی صحت میں وجہ شک و تردد رہا۔

(۴)..... پھر اسی شک و تردید کی بنا پر احتیاطاً ۱۵ درجے کے مطابق فتویٰ جاری کیا گیا۔

====

(۵)..... جو کہ بعد میں ان ہزاروں نے ۱۸ درجے کی تحقیق کر کے اس تردد کو ختم کر دیا۔

(۶)..... آخر بحث میں اس پر علماء کرام کی تائیدی رائے اور دستخط نقل کئے ہیں، اور بتایا کہ اس تحقیق کو جمہور اہل علم کی تائید حاصل ہو کر یہ ایک توازن کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔

(۷)..... حضرت مفتی رشید احمد صاحب کی تحقیق ۱۵ درجے رہی۔

اجمالی جائزہ

اگر ہم نے موصوف کی عبارت سے مذکورہ بالا نکات درست نکالے ہیں تو اس کا اجمالی

جائزہ یہ ہے:

نمبر ۱ مسلم ہے، مگر یہ مصنف کے حق میں مفید نہیں۔

نمبر ۲، ۳ اور ۴ خلاف واقعہ ہیں، بلکہ کسی حد تک الزام بھی ہے۔

اور انیسویں کہ نمبر ۴ کے بعد نمبر ۵ تک بہت ساری تحقیقی کارروائی کے تذکرے سے اپنے قارئین کو محروم کر دیا گیا ہے، ہم اس کو نمبر ۴ ہی کے ساتھ الف، ب، ج، گ کا خلاصہ کے طور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

نمبر ۴ الف: اس تردد کو ختم کرنے کے لئے مشاہدات کا سلسلہ چلایا، تحقیقی مجالس منعقد کئے، علماء کرام کے درمیان بحث و تمحیص کا سلسلہ چلا۔

نمبر ۴ ب: بالآخر نتیجتاً ایک اجتماعی اجلاس میں متفقہ طور پر پرانے نقشوں میں صبح کا

وقت کا ذب کا جبکہ ۵ اور بے کو صحیح صاوق قرار دے ویا۔

نمبر ۳ ج: اس کے بعد حضرات اکابر کی طرف سے عمومی طور پر پرانے نقشوں کے اوقات فجر کو صحیح کا ذب قرار دے کر باقاعدہ فتوے شایع ہوتے رہے۔

نمبر ۳ ج: اس ۵ اور بے والے نقشے سے پھر رجوع فرمایا۔

یہ وہ حقائق ہیں جنہیں مرحلہ نمبر ۳ کے بعد ذکر کرنا ضروری تھا مگر مصنف نے انہیں حذف کر کے قارئین کی نظروں سے اوجھل رکھا۔ ہم ان شاء اللہ قارئین کے سامنے ایک ایک کر کے انہیں بیان کریں گے۔ مگر پہلے عبارت بالا کا خلاصہ مکمل ہونے دیں، چنانچہ:

نمبر ۵ میں کلام ہے کہ اس مرحلے میں واقعی بزرگوں نے تحقیق کی تھی یا نہیں؟

نمبر ۶ میں اکابر کی تحریرات اور اس کے ساتھ دیگر حضرات علماء کی تائید کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

تفصیلی وضاحت

ان صفحات (۱) میں محترم مصنف نے جتنی عبارات، علماء کرام کی نقل فرمائی ہیں سب نمبر

۵ کے بعد کی ہیں۔ جب ۴ الف، ۴ ب، ۴ ج، اور ۴ ح کی حقیقت سامنے آئیگی تو نمبر ۵ اور اس کی تائید میں باقی سارے اقوال وغیرہ سب کے سب مرجوح قرار پائیں گے۔ ہمارے بیان میں ان شاء اللہ الرحمن مذکورہ بالا نکات سارے حل ہو گئے، مگر ترتیب کا لحاظ شانہ ہو سکے۔

پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل؟

کہتے ہیں کہ پرانے نقشوں پر اکثریت کا تعامل چلا آ رہا ہے۔ لہذا ہمیں 15 کی تحقیق قبول

کرنے میں بڑا مانع ”پرانے نقشبثوں پر اکثریت کا تعامل“ ہے۔ واقعی یہ تعامل ظاہری طور پر ایک بہت بڑی دلیل محسوس ہوتا ہے اور اسی شبہ نے اس فقیر کو بھی ابتداء میں متاثر کیا تھا۔ مگر جب ایک بات حقیقت ہوتی ہے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد سے کسی نہ کسی طریقہ سے طالبانِ حق پر اس کی حقیقت کھل جاتی ہے، ہاں یہ صورت (عوام کیلئے تو نہیں البتہ) خواص کیلئے ایک آزمائش کا مرحلہ ضرور بن جاتی ہے۔ لہذا اہل علم حضرات کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ گزارش ہے، کہ محض سنی سنائی یا بلا تحقیق کسی بات پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو آزمائش میں ناکام نہ بنادیں۔ بلکہ اپنی علمی اور منہی ذمہ داری کو مدنظر رکھتے ہوئے شرعی اصولوں پر اسی بات کو پرکھنا چاہئے۔ اب آئیے مذکورہ بالا تعامل کا علمی جائزہ لیتے ہیں:

﴿1﴾ اہل علم کا کثیر تعداد میں اتفاق واقعی تسلی اور اطمینان کا سامان بن کر کسی مسئلہ کی صحت پر دلالت کرتا ہے، مگر اس صورت میں ایک بنیادی شرط کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ یہی اہل علم حضرات اس پر عمل اپنے علم کی بنیاد پر کر رہے ہوں نہ کہ محض تقلیدی بنیاد پر۔ یعنی اہل علم حضرات کی یہ کثیر تعداد خود ہی اسی مسئلہ کو زیر بحث لا کر اس پر نہایت اثباتاً تحقیق کر چکے ہوں۔ اب اگر کسی تحقیق میں یہ شرط تو نہ پائی جائے بلکہ اکابر بزرگوں (۱) کی مسلمہ شخصیت ہونے کی وجہ سے ملک کے اندر بڑے بڑے علمی حلقوں نے اس کو بعینہ قبول کر لیا (۲) ہو ایسی صورت حال

(۱) جیسا کہ پرانے نقشے کی تحقیق کو شیخ الحدیث حضرت العلامة محمد یوسف بنوری اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

(۲) یہاں پر یہ نہ سمجھا جائے کہ راقم اکابر علماء حضرات کی اتباع کی مخالفت کر رہا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اکابر کا اتباع کرتے ہوئے ان کی تحقیق کا کم از کم مطالعہ تو کرنا چاہئے تاکہ یہ ان بزرگوں کی تحقیق ہو تو سہی ایسا نہ ہو کہ ”ان بزرگوں کی تحقیق“ کے نام پر کوئی بات ویسے شہرت پا چکی ہو۔

میں بزرگوں (کی تائید کی وجہ سے تحقیق ان) کی طرف منسوب ہو کر ایک بات شہرت اختیار کر لیتی ہے مگر محض حسن عقیدت اور اتباع اکابر کے علاوہ کسی محقق عالم کی تحقیق اس کی پشت پر موجود نہیں ہوتی۔ لہذا محض عقیدت کی بنیاد پر وہ ملک کے علماء کی اکثریت میں قبول عام کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ اب اس صورت میں تو بظاہر تو یہ تعداد علماء کی نظر آرہی ہے، مگر حقیقت میں اسکو علمی اور تحقیقی قوت ایک مستند عالم کی بھی حاصل نہیں ہوتی۔

﴿2﴾ دوسری طرف اس کے برعکس ایک عالم ربانی (۱) نے نہایت قوی اور ٹھوس شہادتوں سے مبرا بن کر کے ایک تحقیق پیش کی ہو اور علی الاعلان اس کو چیلنج کے طور پر شائع کر چکے ہوں۔ اور یہ شخصیت بھی اصلاح باطن، علیت اور مسائل فقہیہ میں ملک کے گوشے گوشے میں اپنا لوہا منوا چکی ہو۔ البتہ اکابر کی حیثیت رکھتے ہوئے اول الذکر بزرگ حضرات کے احرام کا درجہ مؤخر الذکر حضرت کی نسبت زیادہ ہو۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے زیر بحث موضوع اور متعلقہ فن میں مؤخر الذکر حضرت ایک محقق اور نہایت ماہر فن کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہوں۔ جو شخصیت علمی اور فنی مہارت میں ایسے مقام پر فائز ہو، تو دیانت و انصاف کے میدان میں محض اکابر بزرگوں میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے، ان کی مفصل اور مدلل تحقیق کو آنکھیں بند کر کے رد کرنا قطعاً علمی روایات کے خلاف ہوگا۔

﴿3﴾ قارئین حضرات ”پہلی تحقیق“ کی حیثیت کو ملاحظہ فرمائیں، جس کا کوئی ولی وارث نہ ہو، اور اس کے مقابلے میں ”مؤخر الذکر تحقیق“ کا وزن کیجئے گا، جس کی ہر سطر ایک دلیل پر مبنی ایک طاقت رکھتی ہو۔ بظاہر تو بنا بر عقیدت پہلے والی شخصیت کے ماننے والوں کی تعداد بہت

زیادہ جبکہ دوسری کی کم ہے۔ مگر علمی اور تحقیقی غور و فکر جتنا دوسرے والے کی موقف کو حاصل ہے، وہ پہلے والے سے کئی درجہ قوی تر ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ علماء کی مطلق اکثریت ایک تحقیق طلب مسئلہ میں کافی نہیں ہوا کرتی۔ کیونکہ اکثریت کی جو حمایت پہلے عالم کی بات کو حاصل ہے اس کی بناء خارجی عوامل پر ہے جس کو آپ حسن ظن اور عقیدت کہہ سکتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ حسن ظن اور حسن عقیدت تحقیق اور غور فکر کا حصہ نہیں ہیں۔ لہذا جہاں پر ایک مسئلہ کے متعلق محققانہ فیصلہ کی بات آجائے تو وہاں پر ”اکثریت“، اگر ملو ظر رکھی بھی جائے تو اس میں ایسے حضرات علماء کا اعتبار کیا جائے گا جنہوں نے تحقیق کرتے ہوئے کسی ایک جانب رائے قائم کی ہو۔ یا کم از کم اس کی صحت کا علم رکھتے ہوئے متعلقہ دلائل سے واقف ہوں۔

﴿4﴾ مذکورہ بالا ساری تفصیل تو تب ہے جبکہ پہلی تحقیق کی نسبت اکابر بزرگوں کی طرف صحیح مان لی جائے لیکن اگر پہلی والی تحقیق اکابر میں سے کسی بزرگ سے ثابت ہی نہ ہو، بلکہ ایک فن فلکیات کے جاننے والے کسی پروفیسر کا مرتب شدہ ہو اور ان کے تمام حوالجات مسلمان اور غیر مسلمان ماہرین پر مشتمل ہوں جنہیں اگرچہ متعلقہ فن میں مہارت حاصل ہو لیکن فنی مہارت تو اس وقت کوئی شے ہی نہیں، جب تک اس کے نتائج کو شریعت کے اصولوں پر پیش کر کے ان کے موافق ثابت نہ کی جائیں۔ اور ظاہر ہے کہ جدید مسائل کو اصول شریعت پر پرکھنا کسی بھی غیر مسلم ماہر فلکیات یا کسی ایسے مسلم ماہر فن کا بھی کام نہیں ہے جس کو اصول شریعت پر مکمل دسترس حاصل نہ ہو، اب اگر اس پہلے والی تحقیق سے ان بزرگوں کی تائید چھوڑی دیر کیلئے منقطع فرض کیا جائے تو اب بتا دیجئے گا کہ مؤخر الذکر، عالم دین اور فقیہ وقت ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر فن بھی ہے، کے مقابلے میں پہلے والی تحقیق، جو محض ماہرین فن کی آراء پر مشتمل ہو اور جس میں علماء شریعت کا ذاتی اور اصولی طور پر کوئی عمل دخل نہ ہو، کی کوئی حیثیت باقی رہ سکتی ہے؟

ازالہ شبہ:

اب قارئین حضرات کے ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اگر 18 درجے والی تحقیق اتنی کمزور تحقیق تھی تو پھر اس کو بزرگوں کی تائید کیونکر حاصل ہوگئی؟ اس کا تفصیلی جواب ان شاء اللہ آگے آرہا ہے یہاں اتنا سمجھ لیجئے گا کہ جب بقول پروفیسر عبداللطیف صاحب (۱) ان حضرات کو فن کا علم حاصل نہیں تھا تو خطا کا امکان زیادہ متوقع ہو گیا۔ لہذا یہ بعید از قیاس نہیں ہے کہ ان بزرگوں نے ماہر فن پر اعتماد کر کے اس کی تائید کی ہو۔ اور اس قسم کی صورت حال میں اگر خطا واقع ہو جائے تو اس سے کسی بزرگ کی عظمتِ شان میں کمی نہیں آتی (اس کی وضاحت آگے آرہی ہے)۔ پس جب اکابر حضرات خود اس (18 درجے والی تحقیق) کے محقق نہ ہوئے تو محض تائید کو اتنی قوت حاصل نہیں ہو سکتی جس کی بدولت ایک محقق عالم دین فقیہ انصر اور ماہر فن کی ایک محققانہ اور دلائل سے بھرپور تحقیق کو آنکھیں بند کر کے رد کر دی جائے۔ بلکہ ہم پر لازم ہوگا کہ بزرگوں کا احترام سر آنکھوں پر کرتے ہوئے ان حضرات کی طرف منسوب (تائیدی) تحقیق کا علمی اور تحقیقی جائزہ لیں۔ اب ہم آتے ہیں اس تحقیق کی طرف جس پر (بظاہر) جمہور یا علماء کی اکثریت کا اتفاق نظر آرہا ہے۔

محض عملی اتفاق کا اعتبار نہیں:

18 درجے کی تحقیق دراصل ماہرین فن خصوصاً پروفیسر عبداللطیف صاحب (کراچی) کی

(۱) پروفیسر عبداللطیف صاحب مرحوم نے راقم کو ایک خط میں تحریر فرمایا ہے: ”بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جماعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجے کا کیا چکر ہے؟ یہ حضرات ان فی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے۔۔۔ الخ

ہے۔ اور اکابرؒ میں سے جن بزرگوں میں نے 18 درجے والے نقشے کی تائید فرمائی ہے ان میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے نام سرفہرست ہیں۔ ان حضرات کے علاوہ پورے علاقہ کیا بلکہ پورے ملک میں جن علما کے ہاں یہ نقشہ رائج ہے، میا اس کی تصدیق کی ہے، کسی نے بھی آج تک علمی تحقیق اور عینی مشاہدات نہیں کئے اور نہ مذکورہ بالا تحقیق کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے (۱) حتیٰ کہ خود دارالعلوم کراچی سے استفتاء کا جو جواب ہمیں ملا ہے اس میں بھی اس قسم کی باتوں کی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ بعض فتاویٰ میں شبیر احمد کا کاخیل کی طرف راہنمائی فرمائی ہے (۲) اسی طرح جن علماء کرام سے ہم نے اسی حوالے سے ملاقات کی ہے ان سب نے یہی جواب دیا ہے کہ ان اکابر کی مخالفت کیسے کی جائے؟ اس جواب کے علاوہ کسی کی زبان سے احقر نے کم از کم یہ بات نہیں سنی کہ ہمیں دلائل میں غور و فکر اور عینی مشاہدات کے بعد ۱۸ درجے پر صبح صادق کا شرح صدر ہو گیا ہے، ذیل میں چند حوالے قلم بند کئے جا رہے ہیں۔

(۱)۔۔۔۔۔ راقم الحروف نے دیوبند ٹانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مسند افتاء کے تمام مفتیان کرام سے خصوصی ملاقات کی ہے جب ان حضرات نے قدیم نقشے کی صحت کا جواب ارشاد فرمایا۔ تو بندہ کے دوبارہ استفسار پر صرف یہ جواب ملا کہ اگرچہ ہم نے بذات خود کو کوئی مشاہدہ نہیں کیا ہے لیکن اکابرؒ میں سے ان بزرگوں نے اسی کی تصویب فرمائی ہے۔ (۳)

(۱) شاید کوئی ہو مگر آج کی تاریخ تک ہمارے علم میں نہیں ہے۔

(۲) فتوے کی عبارت ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

(۳) یہ حاشیہ لکھے صفحہ پہلا حظ فرمائیں

(2)..... پنجاب کے بعض علماء حضرات سے (جن میں بعض حضرات راقم کے ساتھ بھی

(پچھلے صفحے کا حاشیہ ۲) مجھے نہایت دکھ ہوا اور حد درجہ افسوس اس بات پر ہوا، اللہ عز و جل کی قسم کہ میں مفتی عبدالقادر نعمانی صاحب کی مجلس سے ایسی حالت میں اٹھ کر چلا ہوں جیسا کہ کوئی بھگک ماگٹنے والا مایوس ہو کر واپس لوٹتا ہے۔ میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ حضرت کس مسند عالی پر براجمان ہیں اور ایک دینی طالب علم کے ساتھ کس طرح ناقص رویہ اختیار کر کے پیش آتے ہیں؟ وہاں سے اٹھ کر نہایت قائل احترام جناب مفتی مختار اللہ صاحب کے پاس چلا گیا، مفتی صاحب سے طویل گفتگو ہوئی، شروع میں یہاں بھی وہی بات سنی کہ کاکا خیل صاحب میرے گائوں کے ہیں اور ایک قائل آدمی ہیں، وہ لگے ہوئے ہیں اس میدان میں ہم نے تو کوئی تحقیق یا مشاہدہ وغیرہ نہیں کیا۔ بعد میں تفصیلی ریکارڈ مفتی مختار اللہ صاحب نے جب ملاحظہ فرمایا تو 18 درجے کو غلط اور 15 درجے کو درست قرار دیتے ہوئے باقاعدہ فتویٰ دیدیا۔ جس کی عبارت یہ ہے:..... بندہ ناچیز کے ذہن میں ان نقشہ اوقات کے بارے میں کچھ شکالات پائے جاتے ہیں، لیکن کم فرصتی کی وجہ سے اس طرف کوئی خاص توجہ دینے کا موقع نہیں ملا اب جب آپ نے ان دونوں نقشوں کے حوالہ سے تحقیق کر کے وہ تمام خطوط و روایات اور مختلف کتب کے حوالچات ارسال کئے تو یہ اس بات کا باعث بن گیا کہ ان نقشوں کے بارے میں کچھ فیصلہ کن رائے قائم کی جائے لہذا بندہ نے اپنے بساط کے مطابق غور و تجسس کرتے ہوئے دونوں نقشوں کے اوقات ملاحظہ کئے جس کے نتیجے میں وہ نقشہ جس میں صبح صادق کے اوقات ۱۵ درجے زیر افق کی بنیاد پر مندرج ہیں، بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فقید العصر مفتی اعظم حضرت مولانا (مفتی) محمد فرید صاحب دامت برکاتہم کے فتاویٰ فرید یہ جلد دوم میں آپ کے ذاتی مشاہدات اور تجربے کی بنیاد پر صحیح صادق کے حوالے سے جو فتویٰ تحریر ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۵ درجے والا نقشہ درست ہے، تحریر فرماتے ہیں: ریاضی کے اصول کے مطابق یہ وقت پندرہ درجہ یعنی ۱۵ * ۲۰ = ۲۰ منٹ بنتا ہے مگر غروب شمس کے بعد کمرہ مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں (فتاویٰ فرید یہ ج ۲، ص ۱۵۳)

بھی تھے) ملاقات پر بھی یہ جواب ملا کہ ہم نے کوئی مشاہدہ نہیں کیا ہے۔

(3)..... ہمارے اپنے علاقے میں تین مدارس سے پہلے والا نقشہ باقاعدہ گی سے شائع ہوتا رہا۔ ان کے ذمہ دار حضرات یہ ہیں:-

☆ مولانا مفتی ارشاد احمد حقانی صاحب، گاؤں مرغز، ہسوالی

☆ مولانا عبدالسلام صاحب مہتمم جامعہ سلمان فارسیؑ، گاؤں ٹوپی ہسوالی

☆ مولانا مفتی خالد صاحب، گاؤں باجا، ہسوالی

یہ حضرات اپنے اپنے حلقوں میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ ان میں سے خط و کتابت کے ذریعے سے بھی اور بعض حضرات سے ملاقات میں یہی جواب ملا ہے کہ ہم نے نہ مشاہدہ کیا ہے اور نہ کسی قسم کی تحقیق ضروری سمجھی ہے۔

(4)..... ان کے علاوہ بے شمار ایسے فضلاء حضرات سے اس بارے میں گفتگو کی جو فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ساتھ مسند افتاء کے بھی دعوے دار تھے مگر کسی نے ماسوا اس کے، کہ ہم اکابر کا اتباع کر رہے ہیں، کوئی جواب نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تلاش حق اور احترام اکابر کے درمیان تباہی کوئی نہیں جن کا اجتماع محال ہو۔ اس کی ایک مثال ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

(5)..... علاوہ ازیں پرانے نقشے پر عمل اور اس کے اہتمام کو دیکھا جائے تو منصوص سے کم سمجھا نہیں جاتا۔

قارئین کرام! اس تحقیقاتی سروے کا لب لباب یہ ہے کہ پرانے نقشے پر اگرچہ اکثر علماء کا عمل نظر آ رہا ہے مگر اس کی پشت پر علم و تحقیق کی وہ قوت نہیں ہے، جو اس کی تاثیر کے لئے ضروری ہے۔ لہذا کسی عالم نے اس کا تحقیقی یا تنقیدی جائزہ لے کر اسے اختیار نہیں کیا ہے بلکہ بزرگوں پر حسن ظن یا عقیدت کی بنیاد پر اس کا ساتھ دیا جا رہا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ محض عملی

اتفاق قطعاً معتبر نہیں۔

امکانِ خطاء:

یہ بات بالکل واضح ہے کہ علماء کا کسی مسئلے پر فقط عمل اسی کی صحت کی دلیل نہیں بن سکتا اور نہ یہ مطلقاً حقانیت کی دلیل ہے بلکہ خطاء کا امکان اس قسم کے مسائل میں ہر وقت پایا جاتا ہے، یہاں اس حوالے سے بھی ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

شرح عقود رسمی المفتی میں علامہ عمر ابن العابدین (المعروف بعلامہ شامیؒ) فتویٰ کے اصول و ضوابط ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ جب کسی مسئلہ کے بارے میں اصل حوالہ (یعنی دلیل) نہ ملے تو بغیر تحقیق کے کسی بڑے سے بڑے بزرگ اور مفتی کے قول پر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں اور وجہ اسکی یہ بتلائی کہ بعض اوقات بلکہ اکثر اسی طرح ہو جاتا ہے کہ اوپر سے نقل کرتے کرتے بغیر تحقیق بالکل غلط اور خلافِ مذہب فتویٰ چلا آ رہا ہوتا ہے۔

قلت: وقد يتفق نقل قول في نحو عشرين كتاب من كتب المتأخرين، ويكمن القول خطأ خطأ به اول واضع له، فيأتي من بعده وينقله عنه وهكذا ينقل بعضهم عن بعض....
..... (شرح عقود رسم المفتی ص.....)

(۲۹۰۲۸)

ترجمہ: میں (علامہ شامیؒ) کہتا ہوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متاخرین کی کتابوں میں بیس کتابوں تک ایک بات نقل ہوتی چلی جاتی ہے حالانکہ اس مسئلہ کو پہلے بیان کرنے والے شخص سے غلطی ہوئی ہوتی ہے مگر بعد کے لوگ اس پر اعتماد کر کے نقل کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے متعدد مثالیں دی ہیں ہم یہاں طوالت کے خوف سے صرف چند ایک کے اردو ترجمہ پر اکتفا کر رہے ہیں۔

﴿1﴾ محض تلاوت قرآن کے لیے کسی کو اجرت پر لینا درست ہے یا نہیں؟ اس کے بارے

میں نقل درنقل بہت سارے محققین کی دہرائی ہوئی غلطی کے بارے میں رقمطراز ہیں :

”اور ان مسائل میں ایک مسئلہ محض تلاوت قرآن پاک پر اجرت لینا ہے قدوری

کی شرح السراج الوہاج اور الجوہرۃ النيرة میں ہے کہ: مفتی بقول یہ ہے

کہ (تلاوت قرآن کیلئے) اجرت پر (کسی کو) لینا درست ہے۔ حالانکہ وہ اُلٹا سمجھ

گئے ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ مفتی بقول یہ ہے کہ تعلیم قرآن کے لیے کسی کو اجرت پر

لینا درست ہے، محض تلاوت پر اجرت درست نہیں ہے۔ پھر بعد میں جو لوگ آئے

انہوں نے اس (شارح قدوری، حدادی) کی پیروی کی اور انکی بات نقل کرتے

چلے گئے۔ حالانکہ وہ صریح غلطی تھی بلکہ بہت سے حضرات نے تو یہ کہہ دیا کہ: فتویٰ

اس پر ہے کہ تمام عبادتوں پر اجرت درست ہے اور یہ سب حضرات مسئلہ عموم اور

اطلاق کیساتھ تحریر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ متاخرین کا مذہب ہے۔ اور بعض

لوگ اس پر حج کیلئے بھی اجارہ درست قرار دیتے ہیں (حالانکہ) یہ سب باتیں غلط

ہیں اور پہلی غلطی سے بھی زیادہ سنگین ہیں۔“

(شرح عقود درسم المفتی ص ۲۹)

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ صاحب السراج الوہاج جو فقہاء احناف کے زبردست فقیہ

گزرے ہیں ابوبکر بن علی الحداد، الزبیدی المتوفی ۸۰۰ھ ہجری

ہیں۔ اور انکے بعد جتنے اکابر چار ساڑھے چار سو سال میں گزریں ہیں کسی کو اس کا ادراک نہ

ہو سکا۔ بلکہ انہی کو اکثر علماء اپنی کتابوں میں بلا تحقیق نقل کر کے ایک شرعی مسئلہ سمجھتے رہیں،

یہاں تک کہ علامہ شامیؒ المتوفی ۱۲۵۲ھ نے آکر اس حقیقت کی نشاندہی فرمادی۔

﴿2﴾.... ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کی شانِ عالی میں گستاخی کرنے والے کی توبہ مقبول ہے یا نہیں؟

”فتاویٰ بزازیہ میں منقول ہے کہ ہمارے نزدیک اس کا قتل واجب ہے، توبہ مقبول نہیں ہے، اگرچہ وہ اسلام قبول کر لے صاحب بزازیہ نے یہ بات قاضی عیاض مالکی کی الشفاء اور ابن تیمیہ حنبلی کی الصارم المسلمول کی طرف منسوب کی ہے پھر بعد کے اکثر فقہاء نے اسکی پیروی کی ہے، یہاں تک کہ خاتم المحدثین علامہ ابن الہمام اور الدردر والغرر کے مصنف نے بھی یہی بات لکھنے حالانکہ شفاء اور صارم میں جو بات ہے کہ وہ یہ ہے کہ یہ شوافع اور حنابلہ کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے اور ہمارا مذہب قطعیت کے ساتھ یہ نقل کیا ہے کہ اسکی توبہ مقبول ہے۔ اور یہی بات قدماء حناف کی کتابوں میں مذکور ہے جیسے امام یوسفؒ کی کتاب الخراج امام طحاوی کی مختصر کی شرح اور سعدی کی التفت الحسان وغیرہ فقہ حنفی کی کتابیں۔ (۱)

علامہ شامیؒ ایک موقع پر اپنا ایک واقع تحریر فرماتے ہیں:

﴿3﴾... میں (علامہ شامیؒ) نے ایک بار وقف کے ایک مسئلہ میں عام کتابوں کے مطابق فتویٰ دیا اس مسئلہ میں عمدۃ المعانیٰ خیرین علامہؒ نے ہیکل پر معاملہ مشتبه ہو گیا ہے۔ انہوں نے درمختار میں اس مسئلہ کو خلاف صواب ذکر فرمایا ہے۔ میرا وہ فتویٰ ملک کے بعض مفتیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ انہوں نے اس کی پشت پر میرے

(۱) ترجمہ ”آپ فتویٰ کیسے دیں“ ص ۲۸ سے ماخوذ ہے۔

فتوے کے خلاف اور درمختار کے مطابق فتویٰ لکھا اور بعض نے تو یہ بھی لکھا کہ ”علائق (درمختار) میں جس طرح مسئلہ ہے وہی معمول بہا ہے، کیونکہ وہ متأخرین معتمد علیہ ہیں“ نیز یہ بھی لکھا کہ ”اور اگر تمہارے پاس اس کے خلاف دلیل ہے تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے“ دیکھا آپ نے جہل عظیم! اور احکام شرعیہ میں تہرود و لیرمی! اور کتابوں کی طرف مراجعت کیے بغیر اور علم کے بغیر فتویٰ نویسی پر اقدام! کاش ان صاحبوں نے علامہ ابراہیم حلّیؒ کا درمختار کا حاشیہ ہی دیکھ لیا ہوتا کیونکہ وہ بآسانی دستیاب ہو سکتا تھا۔ حلّیؒ نے اس موقع پر تنبیہ کی ہے کہ علائق نے جو کچھ لکھا ہے وہ مسئلہ کی صحیح تعبیر نہیں ہے۔ (شرح غنودہ ص ۲۸)

علامہ شامیؒ نے افتاء اور تحقیق کے طلباء کیلئے ایک مستقل اصول کے طور پر ان واقعات کو ذکر کے یہ سبق دلادیا کہ جب تحقیق کی بات آتی ہے تو اس میں بڑے سے بڑے آدمی کی بات کو بھی اصل مآخذ کے ساتھ پرکھنا پڑتا ہے۔

لحظہ فکر یہ: ہمیں ان مثالوں پر خوب غور کر کے اکابر کے نقش قدم پر نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کی تہہ تک پہنچنا چاہئے کہ کسی مسئلہ کا محض عمومیت کیساتھ منقول ہونا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ اگر ایسے مسائل جو خالص شرعی ہونے کیساتھ ساتھ اس میں اصل مسلک بلا ابہام امحاطات الکتب میں منقول بھی ہے، مگر اس کے باوجود عمومی نقل اصولی طور پر قابل اعتماد نہیں رہا تو کیا کہنا آج کے نقشہ اوقات کے بارے میں جو نہ کسی مولوی نے دیکھا اور نہ کسی مفتی نے چیک کیا بلکہ سائنسدانوں اور ماہرین فن کے حوالے کیا گیا ہے؟ اب ایسی صورتحال میں میں بھی اکابر کے نام پر تحقیق اور نقوش کو تنقید سے بالاتر سمجھنا اصول تحقیق سے اعراض نہیں تو اور کیا ہے؟

کیا واقعی 18 درجے پر مبنی نقشے کو قبولیت عامہ حاصل ہے؟

بفضلہ تعالیٰ ہم نے بحث مذکورہ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ علم و تحقیق کے بغیر محض عقیدت و تقلید کی بنیاد پر اکثر علماء کا ایک مسئلہ پر اتفاق اور تعامل کسی مسئلے کی صحت کی تصدیق کے لئے کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس بات میں شرعاً کافی گنجائش موجود ہوتی ہے کہ اسی معمول بہا مسئلے کا از سر نو جائزہ لیا جائے۔ بالخصوص جب کہ ایک مسئلہ نیا پیش آمدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ماہرین فن کی مداخلت سے متاثر بھی ہو چکا ہو۔ مگر یہاں ایک سوال ہماری طرف سے بھی سماعت فرمالیجئے: وہ یہ کہ:

”کیا واقعی ایسا ہی ہے کہ 18 درجے پر مبنی نقشے کو حقیقت میں قبولیت عامہ
(تحقیق پر مبنی نہ سہی) بظاہر حاصل بھی ہے یا نہیں؟“

تاکمین 18 والے حضرات کی طرف سے تو اس کا جواب یہی ہو گا کہ ہاں اسکو واقعی قبول عامہ حاصل ہے۔ مگر ایک اصول پسند آدمی کی تسلی کیلئے یہ جواب نا کافی ہے۔ البتہ ہماری طرف سے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سرے سے یہ بات ہی غلط ہے کہ اسکو قبولیت عامہ حاصل ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر کسی مسجد میں پرانے نقشے کا آویزاں ہونا اس بات کی دلیل ہی نہیں کہ اس پر عمل بھی اسی طرح ہو رہا ہو، ہماری تحقیق کے مطابق اس کی کئی وجوہات ہیں۔ قارئین کرام توجہ سے فردا فردا ملاحظہ فرمائیں:

(1) نقشے کی بجائے مشاہدے پر اعتماد:

اکثر علماء خصوصاً فجر اور عشاء میں مشاہدہ کا اعتبار کرتے ہیں اور نقشے کے اوقات کا انکو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ان لوگوں میں پرانے اور بزرگ حضرات شامل ہیں۔ گاؤں اور دیہاتوں میں اکثریت ایسے حضرات کی ہیں کہ وہ نقشوں کو کوئی اسلامی چیز، خصوصاً اوقات نماز میں، سمجھتے ہی نہیں۔ ہمارے گاؤں (صوابی) میں تقریباً 80 مساجد ہیں، میں نے ایک مسجد بھی ایسی نہیں دیکھی جس میں عشاء کی اذان نقشے کے مطابق دی جاتی ہو باوجود یہ کہ مساجد میں پرانے نقشے آویزاں ہیں۔ اور یہی معاملہ آس پاس کے گاؤں کا بھی مشاہدہ کیا گیا ہے۔

(2) فنی باریکیوں سے عدم واقفیت:

بعض حضرات مشاہدہ کر کے علے الاعلان پرانے نقشے کی مخالفت تو کرتے رہتے ہیں مگر ضروری نہیں کہ وہ نقشہ ہی تبدیل کر کے نیا بنادیں کیونکہ ان کا اختلاف 18 اور 15 کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ پرانے نقشے کا محض مشاہدے کا عدم موافقت ہوتا ہے۔ چند بزرگوں کے واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

(۱)..... ہمارے علاقے کے ایک معمر عالم (حضرت مولانا

قاضی اشرف خان صاحبؒ) ہوا کرتے تھے جو علاقہ میں بطور قاضی دین کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اور طالب علمی کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھے ہوئے تھے۔ لیکن پرانے نقشے کی مخالفت۔ علے الاعلان کیا کرتے تھے۔ میرے ایک استاد محترم حضرت مولانا قاری مستمر خان صاحب (فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ) قاضی صا

حب مرحوم کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں اور استاد صاحب (قاضیؒ) ساتھ بیٹھ کر سحری کھا رہے تھے کہ اتنے میں پرانے نقشے کے مطابق اذانیں شروع ہو گئیں تو قاضی صاحب نے فرمایا سحری کھاتے جاؤ اس کے بعد بھی 20 منٹ تک سحری کھائی جاسکتی ہے۔

(۲)..... ہمارے ایک رشتہ دار حضرت مولانا فضل وہاب صاحب مدظلہم جو سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کر چکے ہیں تقویٰ و احتیاط میں پورے علاقہ میں معروف و مشہور ہیں۔ راقم فقیر بذات خود کئی دفعہ (اصلاحی تعلق کی بنا پر) حضرت صاحب کیساتھ باوجود دوسرے محلے کے اعتکاف میں شریک ہوتا رہا۔ سحری اور صبح صادق کے تعین کا دار و مدار ان کے نزدیک مشاہدے پر تھا۔ کیونکہ حضرت گاؤں کی مغربی جانب دُور کھیتی باڑی کرتے ہوئے آب پاشی کیلئے اکثر اوقات رات کے وقت جایا کرتے تھے۔ اسلئے ان کو مشاہدہ کا موقع نہایت آسانی کیساتھ میسر آتا تھا۔ لہذا اکثر اوقات ایسا ہوا کہ پرانے نقشے کی بنیاد پر ارد گرد مساجد میں صبح کی اذانیں ہو رہی تھیں اور ادھر اعتکاف والے ابھی سحری کھا رہے ہوتے تھے۔ فقیر کے ایک سوال پر جواب فرمایا کہ ہم نے کئی دفعہ صبح صادق کا مشاہدہ کافی تاخیر سے طلوع ہوتے ہوئے کیا ہے۔

(۳)..... صوابی شہر کے مرکزی جامع مسجد صوابی اڈہ کے پیش امام اور خطیب مولانا گل رحیم صاحب مدظلہم (جن کے میراث اور طلاق

وغیرہ کے فتوے سرکاری عدالتی فیصلوں میں پیش کئے جاتے ہیں) علی الاعلان (پرانے) نقشوں کی مخالفت کرتے ہیں اور اس مخالفت میں اتنے متشدد ہو گئے تھے کہ ایک ملاقات پر انہوں نے اوقات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فقیر کو کہا ”کہ بھئی میں تو نقشہ نہ پرانا مانتا ہوں اور نہ نیا جانتا ہوں۔ نیا نقشہ تو میں نے خیر دیکھا بھی نہیں کہ اس کے اوقات کیا ہیں؟ مگر پرانا نقشہ جو عام مساجد میں مستعمل ہے فجر اور عشاء کے اوقات کے حوالے سے بالکل غلط ہے“ حالانکہ مولانا صاحب کی مسجد میں پرانا نقشہ لگا ہوا تھا۔

ان حوالوں کو نقل کرنے کا منشاء یہ ہے کہ دیکھو پرانے نقشے کیساتھ ان علماء کرام کے اختلاف کے باوجود، چونکہ کسی تحریری طور پر مخالفت منظر عام پر آئی نہیں تھی، لوگ یہی کہتے چلے آ رہے ہیں کہ پرانے نقشے کو ”قبولیت عامہ“ حاصل ہے۔ چونکہ یہ حضرات سیدھے سادھے کتاب کے مطابق مشاہدہ کے عادی تھے۔ اور ریاضیاتی حسابات وغیرہ کا انکو علم تھا نہیں، جس کے ذریعے کسی دوسرے (نئے) نقشے کیلئے بندوبست کرتے۔ اسی طرح انکو 15-18 درجے کے اختلاف کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر پرانے نقشے کی عمومیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر علماء اس کی غلطی تو سمجھ گئے تھے مگر انکو اس نقشے کی فنی باریکیوں یا اس میں فنی اختلاف کا پتہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس غلطی کو علمی بنیادوں پر ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔

(3) محض علمی اختلاف کو کافی سمجھنا

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات کسی محقق عالم کا ذاتی تجربہ اور رائے بھی مخالف ہوتی ہے اور باقاعدہ علمِ حدیث سے بھی واقف ہو کر 15-18 درجے کی فنی باریکیوں کو بھی سمجھتا ہے

اُوفتویٰ بھی 15 درجے کی تائید اور اثبات میں دیتا ہے (اب ظاہر ہے کہ ایسے علماء کرام کا اپنا عمل بھی 15 درجے کے موافق ہو کر 18 درجے والے نقشے کے مطابق ہوگا) لیکن ان سب حقائق کے باوجود دیکھتے ہیں یہ آیا ہے۔ کہ ایسے اہل علم حضرات کی طرف سے بھی ان حقائق پر مبنی کوئی نیا نقشہ شائع نہیں ہوا لہذا نئے نقشے کے عدم اشاعت سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو گئی کہ پرانے کو ”قبولیت عامہ“ نصیب ہوا ہے۔ ہم یہاں پر مشہور زمانہ مفتی اعظم فقہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم (سابق مفتی دارالعلوم خانقاہ اکوڑہ خٹک) کے فتاویٰ فریدیہ ج ۲۷ سے چند فتوے نقل کر رہے ہیں:

(۱) ص ۱۵۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

”محکمہ موسمیات اور درجات کو بالائے طاق رکھیں ان کا اندازہ یہاں بھی مشاہدہ کے خلاف ہے“..... (فتاویٰ فریدیہ ج ۲، ص ۱۵۱)

(۲) ص ۱۵۳ پر لکھتے ہیں:

”ریاضی کے اصول پر یہ وقت پندرہ درجہ یعنی $15 \times 3 = 45$ منٹ ہے مگر غروب شمس کے بعد مکرر مشاہدہ سے سوا گھنٹہ ثابت ہے اور صبح صادق کا وقت بھی اسی مقدار سے زائد نہیں ہے ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ (۲۰۰۲ھ) کے اوائل میں میں چار بج کر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے“..... (ایضاً ج ۲، ص ۱۵۳)

ہم نے ہجری کیلینڈر کو شمسی میں تبدیل کرتے ہوئے جب مذکورہ بالا تاریخ کا موازنہ کیا تو 20 اگست 1982ء کو یکم ذوالقعدہ ۱۴۰۲ھ کی تاریخ بنتی ہے، ہم نے دیکھا تو الحمد للہ پچیس سال پہلے دیا ہوا فتویٰ آج ہمارے نقشے کی تائید کر رہا ہے قارئین (ضلع صوابی

کیلئے) ہمارے مرتب کردہ نقشے میں دیکھ سکتے ہیں کہ 23 اگست کو صبح صادق کا وہی وقت درج ہے جو حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے بار بار مشاہدہ کے بعد تحریر فرمایا ہے۔

”ہمارے علاقہ میں صبح صادق ذوالقعدہ (۲۰۰۲ھ) کے اوائل میں
(بمطابق 23 اگست کو) چار بج کر پچیس منٹ بعد نکلتی ہے۔“ (ایضاً)

(۳) اور ص ۱۵۴ پر لکھتے ہیں:

”اصولی طور پر مفتی رشید احمد صاحب کا اندازہ درست ہے البتہ ہمارے
بلاد میں مشاہدہ کی بنا پر سوا گھنٹہ وقت بنتا ہے۔“ (۵ جولائی

۱۹۸۶ء) (ایضاً ص ۱۵۴)

اس میں تو مفتی صاحب نے بالکل صراحت کیساتھ مفتی رشید احمد صاحب کی تائید فرمادی۔
حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے نائب مفتی مولانا مفتی محمد وہاب صاحب منگوری جو فاضل
وی فرید یہ کے مرتب بھی ہیں، نے راقم کو ٹیلیفون پر بتایا کہ آپ کی طرف سے شائع کردہ دائی
نقشہ اوقات کا نیا نقشہ ہمارے پاس پہنچ گیا ہے۔ میں نے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم
کی مختلف کتب کی طرف مراجعت کے علاوہ ان سے بالمشافہ استفسار بھی کیا لہذا ہماری رائے
آپ کے ساتھ سو فیصد متفق ہے۔ مگر چند فنی باتیں ہیں جن کی وضاحت کیلئے آپ کے ساتھ
بالمشافہ ملاقات ضروری ہے۔ مگر ہماری کونا کو مصروفیات اس میں مانع ہیں لہذا اگر آپ ہمارے
ہاں مدرسہ میں آجائیں تو مہربانی ہوگی، یہ فقیر ایک حکم پر خدمت میں حاضر ہوا۔

الحمد للہ ملاقات میں فنی امور کی وضاحت ہوگئی۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے جامعہ کی
جانب سے 15 درجے کے مطابق نیا نقشہ مرتب کر کے اسکی ایک کاپی راقم کے پاس بھی ارسال
فرمادی۔ اور مزے کی بات یہ کہ نقشے کے اوپر 18 اور 15 درجے کے بارے میں استفتاء تحریر

کرتے ہوئے جواب میں نے نقشبے (یعنی 15 درجے کے نقشبے) کے حق میں فتویٰ درج کر دیا اور اس پر باقاعدہ حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم نے اپنے ہاتھوں سے ”الجواب صحیح“ بھی تحریر فرمایا۔ دیکھو فتویٰ مذکورہ کے باوجود جو فتویٰ فرید یہ میں 25 سال پہلے شائع ہوا ہے، محض نے نقشبے کے عدم اشاعت کی وجہ سے سارے لوگ یہی سمجھ بیٹھے ہوئے تھے کہ پرانے نقشبے کو ”قبولیت عامہ“ حاصل ہے۔ پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ خود اسی دارالافتاء کے مدرسہ میں آج تک پرانا نقشبہ آویزاں تھا تو بات، عرض کرنے کی، یہ تھی کہ محض نے نقشبے کے عدم اشاعت سے لوگوں نے سمجھا ہوا ہے کہ پرانے نقشبے کو قبول عام حاصل ہے۔

قارئین کرام آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ پرانے نقشبے کی قبولیت عامہ کا جو چرچا ہے وہ صرف ظاہری ہے اور رواجی ہے۔ جبکہ تحقیقی سروے سے معلوم ہوا کہ اکثر اہل علم حضرات پرانے نقشبے کی صحت کی تردید ہر دور میں کرچکے ہیں مگر کئی ایسی وجوہات ہیں جن کی بنا پر ان حضرات کی طرف کسی نقشبے کی صورت میں یا مستقل کسی تحریر کی شکل میں وضاحت سامنے نہیں آئی۔

فائدہ: یہاں تک ابحاث سے مصنف (یعنی مفتی رضوان) کے ذکر کردہ نکات میں نمبر ۶ (اسی کتاب کا صفحہ نمبر) کا جواب ہو گیا کہ اس تحقیق پر جمہور اہل علم کا اتفاق اور عملی تواثر چلا آ رہا ہے، لہذا یہ اس کی صحت کی دلیل ہے حالانکہ ایسا ثابت نہ ہو سکا۔

18 درجے والی تحقیق کس کی؟

اس بحث میں ان شاء اللہ الرحمن نکتہ نمبر ۵ کا جائزہ لیں گے کہ محترم مصنف (مفتی رضوان) نے تحریر فرمایا ہے:

”..... لیکن جب حضرتؒ نے بعض اہل فن حضرات کے ساتھ بحث و تمحیص کے اور جدید فلکیات کی بعض کتابوں کی طرف مراجعت فرمائی تو اس تحقیق و تمحیص کے نتیجے میں آپ کا وہ در دروغ ہو گیا۔

(صبح صادق اور صبح کاذب، مفتی رضوان ص ۱۷۰)

حقیقت یہ ہے کہ جن اکابر حضرات کی طرف پرانے نقشے کی تحقیق منسوب کی جا رہی ہے اور جن کا ہر عام و خاص سے ہم نام سنتے چلے آ رہے ہیں۔ ان بزرگوں نے خود اپنی تحقیق بھی تو کوئی نہیں فرمائی اور نہ اس علم میں ان حضرات کو کوئی خاص مہارت حاصل تھی بلکہ حقیقت میں 18 درجے والی تحقیق جغرافیہ کے پروفیسر محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔ جس میں محکمہ موسمیات مسلم وغیر مسلم ماہرین فلکیات، اور گرین وچ کی رصد گاہوں وغیرہ کے غیر مسلم ماہرین کے حوالوں سے پرانے نقشے کو ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ پروفیسر عبداللطیف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مگر علماء کرام و دیگر مخلص احباب کی دلی تمنا یہ تھی کہ کوئی اٹھے اور اس کی تحقیق کرے، مغالطہ کی نشان دہی کرے اور غلط فہمی کو دور کرے، اور حقیقت کو منظر عام پر لائے، ان مخلص اللہ والے لوگوں کی آرزوؤں اور دلی تمناؤں اور دعاؤں کا ہی نتیجہ تھا کہ اللہ رب العزت نے اس ماجیز کو اس خدمت کے لئے قبول فرما کر تحقیق و مشاہدات کی توفیق بخشی، جو کہ اس وقت اس رسالہ کی شکل میں آپ تک پہنچی ہے۔“ (صبح صادق و صبح کاذب، پروفیسر عبداللطیف : صفحہ نمبر ۱۳)

آگے اظہار تشکر کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”محدث العصر حضرت العلامہ محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بندہ کی اس کاوش سے شروع ہی سے

اتفاق فرما کر ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی، اور وقتاً فوقتاً اپنے گراں قدر مشوروں اور ہدایات سے نوازا، اللہ رب العزت ان بزرگانِ دین کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے، آمین..... (صبح صادق صبح کاذب، پروفیسر عبداللطیف: صفحہ نمبر ۱۶)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

”اس کے علاوہ میں دارالعلوم کورنگی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل اساتذہ خصوصاً حضرت مولانا عاشق الہی صاحب، حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹوکنی صاحب، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی، حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی، حضرت مولانا امیر احمد صاحب علوی اور حضرت مولانا رضاء الحق صاحب کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ جنہوں نے میری اس کاوش میں ہر طرح سے تعاون فرمایا“..... (ایضاً حوالہ بالا ص ۱۶)

معلوم ہوا کہ اولین تحقیق جو ۱۸ درجے کے اثبات کے حوالے سے ہوئی ہے وہ بنیادی طور پر حضرات اکابرؒ میں سے کسی ایک کی بھی نہیں بلکہ وہ محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔ جنہوں نے ساتھ ساتھ ان بزرگوں کو حمایت میں لیا ہوا تھا۔ چنانچہ پروفیسر صاحب راقم کو ایک خط میں بزرگوں سمیت ان ۱۱ علماء کرام کی کمیٹی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

”بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جماعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ ۱۵ درجہ اور ۱۸ درجے کا کیا چکر ہے۔ یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے..... الخ“ (اصل خط راقم کے پاس محفوظ ہے)

ابھی تو اور صراحت کے ساتھ وضاحت سامنے آئی کہ جب یہ حضرات فنی علم ہی سے قطعی

طور پر ناواقف تھے، تو اس صورت میں اس تحقیق کو بزرگوں کی تحقیق کہنا تو درکنار ان کی تائید بھی محل کلام ہو جاتی ہے لہذا یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہو گئی کہ قدیم نقشبندیوں کے اثبات میں ان بزرگوں نے اپنی تحقیق نہیں کی تھی بلکہ پروفیسر صاحب کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے علاوہ دارالعلوم کراچی سے جب استفتاء کیا گیا تو جواب کے طور پر مندرجہ ذیل تحریر ارسال فرمادی گئی:

”حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے جو آخری مشاہدات کئے تھے وہ ۱۸ درجے کے مطابق تھے، نیز اس موضوع پر پروفیسر عبداللطیف صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے ”صبح صادق و صبح کاذب“ اس میں انہوں نے قدیم اور جدید علماء کی آراء اور عمدہ تحقیق کی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ۱۸ درجے والے قول کو اختیار فرمایا۔“

(سید حسین احمد) (۲)

حضرت مفتی صاحب کے مشاہدات ہوئے ہیں یا نہیں؟ آخری مشاہدات میں بزرگوں نے بذات خود شرکت فرمائی تھی یا نہیں؟ ان مشاہدات کی کیفیت کیا تھی؟ اس کے علاوہ پروفیسر عبداللطیف صاحب کی تحقیق کہاں تک حقائق پر مشتمل ہے؟ انہوں نے واقعی قدیم ماہرین فن کی تائید حاصل کی ہے یا نہیں؟ انکی تحقیق کتنی عمدہ ہے؟ فتویٰ دینے والے مفتی صاحب نے اس کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا بھی ہے یا نہیں؟ دارالعلوم کراچی کے فتوے پر یہ سارے اشکالات

(۱) اصل خط بندہ کے پاس موجود ہے، راقم

(۲) دارالافتاء دارالعلوم کراچی {فتویٰ نمبر ۸۵۵/۹۰۹، مورخہ: ۱۴/۲/۱۴۲۷ھ}

وارد ہوتے ہیں ہم یہاں ان اباحت کو نہیں چھیڑتے۔ مگر یہ بات تو یقینی طور ثابت ہو گئی، اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اصل تحقیق بزرگوں کی نہیں بلکہ پروفیسر صاحب کی ہے۔

ایک دلچسپ:

طوالت کا خوف ضرور ہے مگر فاضل مصنف کا اس بحث کو چھیڑنے کی خاطر دلچسپی کے لئے محترم پروفیسر صاحب کے ایک خط کی مختصر عبارت اور راقم کی طرف سے اس کے جواب میں ارسال کردہ خط کی ایک عبارت یہاں درج کی جا رہی ہے۔ امید ہے دلچسپی کے ساتھ اکابرؒ کے اختلاف پر ہلکی سی روشنی بھی ضرور ڈالے گی: محترم پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”کاش ان حضرات کو اس وقت کا بھی مشاہدہ کرا دیا جاتا جب سورج 18 درجہ زیر افق پر تھا۔ اس سے قطعی بات واضح ہو جاتی۔ کہ صبح صادق 15 پر آیا۔ 18 درجہ پر کس کپر نمودار ہوتی ہے۔ مگر وہاں تو قصہ ہی دوسرا تھا۔۔۔ زیر افق 18 درجہ کے لمحہ کو یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ تو صبح کاذب کا وقت ہے اس کے مشاہدہ کی کیا ضرورت ہے۔ اس لمحہ کو قطعی نظر انداز کیا گیا۔ اور مشاہدہ کی ضرورت تک محسوس نہیں کی گئی۔۔۔ حالانکہ یہی وہ وقت ہے جب صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان گیارہ علماء کرام کی جماعت کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ 15 درجہ اور 18 درجے کا کیا چکر ہے۔ یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے۔۔۔ اور ابھی ان حضرات کو معلوم تھا کہ یہ مقدمہ بن جائے گا۔ اگر مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیر افق 18 درجہ کے لمحہ کا مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحہ پر صبح کاذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ مگر واللہ عالم

کیوں اس کے مشاہدہ کی طرف رخ بھی نہ کیا۔ کاش ان حضرات کو اس وقت (18 درجہ کے لمحہ) کا بھی مشاہدہ کرا دیا جاتا اور وہ اسی وقت طے فرما دیتے کہ اس لمحہ صبح کا ذب کی کوئی علامات نہیں ہیں۔۔۔ کیونکہ اس لمحہ کسی قسم کی صبح کا ذب کی علامات ہوتی ہی نہیں ہیں۔“ (اصل خط راقم کے پاس محفوظ ہے)

ہماری طرف سے جوابی خط کا ایک اقتباس:

جناب نے بزرگوں کی مشاہدات کے بارے میں تحریر فرمایا ہے ”ان حضرات کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ جھوٹے اور غیر ذمہ دار تھے، ان پر سراسر الزم ہے“ جو با عرض ہے کہ ہم قطعاً یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ ہم ان حضرات کے بارے میں یہ تصور بھی کر سکیں کہ چہ جائیکہ ان پر الزام لگائیں۔ شاید جناب نے ان حضرات کے ساتھ تحقیقی اختلاف کو ہی الزام کا نام دیا ہو تو اس بارے میں یہ بات ذہن نشین فرمائی جائے کہ علمی تحقیق کی بنیاد پر کسی کیساتھ اختلاف کرنا ان پر الزام لگانے کو مستلزم نہیں ہوتا ہے ورنہ اسلاف و متقدمین حضرات میں اس قسم کے اختلاف کی بے شمار مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں۔ ان اختلافات کو شاید جناب بھی ایک دوسرے پر (معاذ اللہ) الزام، ان کا غیر ذمہ دار ہونا یا ان کے بارے میں جھوٹا ہونا قرار نہ دے سکے۔ جناب نے خود اسی جوابی خط میں تحریر فرمایا ہے..... ”یہ حضرات ان فنی باتوں سے بھی قطعی ناواقف تھے۔۔۔۔۔“ جب ان حضرات کا اس فن سے ناواقفیت جناب کے نزدیک خود مسلم ہے تو جناب ہی سے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس صورت میں ان بزرگوں کے رجوع کی بنیاد کس چیز پر ہو گئی....؟ اگر اس کی بنیاد فنی تحقیق ہے تو وہ بقول جناب بزرگوں کے پاس تھی نہیں، اور اگر اس (رجوع) کی بنیاد تحقیق شرعی تھی تو اس کی جناب کے پاس دلیل نہیں۔ پھر ان کے رجوع سے کسی

کا اختلاف کرنا کس دلیل کی مخالفت ہے اور یہ کیسے الزام میں داخل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ان حضرات کو ماہرین فی الفن نہ ہونے کی وجہ سے رجوع میں غلط فہمی ہوئی ہو تو یہ عین ممکن ہے اور اس صورت میں تو ان حضرات کی نیت پر کسی قسم کا شک کے بغیر ان سے اختلاف واجب ہو جائے گا؟ لہذا اصولی طور پر یہ ہونا چاہئے کہ ان حضرات کا وہ فیصلہ زیادہ قابل اقتداء ہو جو اس علم پر مبنی ہو جس میں یہ حضرات مہارت نامہ رکھتے تھے اور وہ ہے شریعت بیضاء کا علم۔ لہذا ان بزرگوں کا وہ فیصلہ جو اس (شرعی) علم پر مبنی ہو زیادہ قابل قبول ہو گا بنسبت اس فیصلے کے جو فسقلیات و حسابات پر مبنی ہو جس میں جناب کے نزدیک بھی انکو بصیرت حاصل نہیں تھی۔ اور یہ بات اصولی طور پر آنجناب بھی تسلیم کر چکے ہیں۔ جیسا کہ جوابی خط میں تحریر فرمایا ہے۔۔۔۔۔ ”کاش ان حضرات کو اس وقت کا مشاہدہ بھی کرا دیا جاتا جب سورج 18 درجہ زیر افق پر تھا۔ اس سے قطعی بات واضح ہو جاتی کہ صبح صادق 15 پر یا 18 درجہ پر کس پر نمودار ہوتی ہے۔ مگر وہاں قصہ ہی دوسرا تھا۔۔۔۔۔ آگے تحریر فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ مشاہدہ میں یہ گیارہ علماء کرام کی جماعت زیر افق 18 درجہ کے لمحے کا مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحہ پر صبح کاؤب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی مگر وہ اللہ اعلم کیوں اس کے مشاہدے کی طرف رخ بھی نہ کیا؟۔۔۔۔۔ جناب کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ آپ کے نزدیک ان بزرگوں کا شرعی اصولوں کی بنیاد پر مشاہدہ ایک حکم کی حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ آنجناب نے یہ بھی افسوس کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ان حضرات کو 18 درجے کے وقت کے مطابق مشاہدہ نہیں کرایا گیا ہے بلکہ اس کے بعد (یعنی نقطہ 15 درجے کے مطابق) کرایا گیا ہے لہذا اس کا مقتضاء یہ ہے کہ اگر ان حضرات کا

مشاہدہ بقول جناب 18 درجے کے مطابق ثابت کیا جائے تو وہ جناب کو تسلیم کرنا پڑیگا (۱) اب آئیے دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کس وقت مشاہدہ فرمایا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ خود مشاہدات کی صورت حال تحریر فرماتے ہیں:

☆..... ”۱۱ جون، پھر ایک روشنی عرضاً پھیلنے والی افق کے اوپر شروع ہوئی، روشنی کا پورا تین جس پر سب دیکھنے والوں نے کا اتفاق کیا وہ 4:19 پر تھا اس روشنی کے اس سے کچھ پہلے ہونے کا بھی بعض کو شبہ رہا۔

☆..... ”۱۲ جون، صبح کو تقریباً 3:30 بجے میدان میں سب حضرات پہنچ گئے اس وقت افق پر مشرق پر کسی قسم کی روشنی نہیں تھی ٹھیک 4 بجے افق پر غزروٹی طولانی روشنی نمودار ہوئی جسکو سب نے دیکھ کر صبح کا ذب قرار دیا اور اس کے 17 منٹ بعد یعنی 4:17 پر صبح صادق واضح طور پر مشاہدہ کی گئی اسی پر سب کا اتفاق رہا۔ طلوع آفتاب 5:35 منٹ پر ہوا۔

☆..... ”۱۳ جون، آج کراچی میں کورنگی سوکواڑ کے قریب مشرقی ساحل سمندر پر جا کر مشاہدہ کی کوشش کی گئی جس میں مفتی رشید احمد صاحب، مولانا محی الدین صاحب، مولانا عاشق الہی صاحب، مولوی محمد علی صاحب، مولانا محمد رفیع صاحب اور احقر محمد شفیع شامل تھے۔ اتنا سب نے محسوس کیا کہ 4:11 جو وقت صبح صادق قدیم نقتشوں میں آج کی تاریخ کا لکھا ہوا ہے اس وقت کسی قسم کی روشنی افق پر نہیں تھی۔ اس کے بعد وہ روشنی جس کو صبح کا ذب کہا جاسکتا ہے شروع ہوئی، پھر اس

(۱) اور جب ان حضرات کے ذہن میں فنی اختلاف کی تفصیلات یا کسی قسم کی حساب و کتاب نہیں تھی تو معلوم ہوا کہ ان مشاہدات کے بعد کیا گیا فیصلہ اس علم کی بنیاد پر تھا جو ان کے پاس بدرجہ اعلیٰ موجود تھا، یعنی شرعی علم۔

کے بعد صبح صادق کی مقرر ضا پھیلنے والی روشنی سامنے آئی۔“
 مندر آدم میں کراچی سے بمطابق مشاہدہ طلوع آفتاب، 9 منٹ اور بموافق
 حساب 10 یا 11 منٹ پہلے اوقات کا دخول ہونا چاہئے لہذا ان دنوں پرانے
 نقشوں کے مطابق مندر آدم کے اوقات یوں ہونا چاہئے:

پرانے نقشے کے مطابق اوقات:

تاریخ	صبح کاذب	صبح صادق	طلوع آفتاب
۱۱ جون	4:01 بجے	5:32 بجے
۱۲ جون	4:00 بجے	5:32 بجے

اب مشاہدہ کی تفصیل ملاحظہ ہو:

تاریخ	صبح کاذب	صبح صادق	طلوع آفتاب
۱۱ جون	4:19 بجے	5:32 بجے
۱۲ جون	4:00 بجے	4:17 بجے	5:32 بجے

(احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۷۶)

اب آنجناب کی خدمت مودبانہ گزارش ہے کیا یہ مشاہدات اس وقت (جبکہ
 سورج 18 درجے زیر افق ہو) میں نہیں جس پر حد درجہ افسوس کا اظہار فرمایا گیا
 ہے؟ یا کیا اس میں پرانے نقشوں کے مطابق صبح صادق کے وقت میں
 بزرگوں نے صبح کاذب کا اعلان نہیں کیا ہے؟ حالانکہ یہ حضرات مشاہدے
 کے مقام میں ساڑھے تین بجے پہنچ چکے تھے۔ اور انہوں نے مشاہدے کے
 موافق پرانے نقشوں میں صبح صادق کے وقت میں، بجائے صبح صادق کے،

نمودار ہونے والی صبح کا کاذب کا اعلان بھی کر دیا؟ تو پھر جناب کے خود مسلم اصول کہ..... ”مشاہدہ میں یہ گیا رہ علماء کرام کی جماعت زیر افق 18 درجہ کے لمحے کا مشاہدہ کر لیتے اور اس لمحہ پر صبح کا کاذب کا مشاہدہ کر کے ایک بیان بھی دے دیتے تو مزید کسی وضاحت کی قطعی ضرورت نہیں تھی“..... کا کیا مطلب ہوا؟ (۱)

فائدہ مذکورہ بالا بحث سے مصنف (مفتی رضوان) کے نکتہ نمبر ۵ کا جواب ہو گیا۔

ٹنڈو آدم کے مشاہدات کی حیثیت؟

فرماتے ہیں کہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سلسلہ تحقیق کی ایک کڑی تھی؟ لہذا یہ ختمی تحقیق

(۱) اقتباس کی عبارت یہاں پر ختم ہوئی۔ علاوہ ازیں ان مشاہدات سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہو گئیں:
۱۔ بزرگ حضرات میدان مشاہدہ میں فلکی شفق سے کافی پہلے پہنچ گئے تھے ۲۔ پرانے نقشے میں دئے گئے صبح کے وقت سے پہلے افق پر اندھیرا تھا، اور کسی قسم کی روشنی افق پر نہیں پائی جاتی تھی۔ ۳۔ اگر پرانا وقت صبح صادق تسلیم کیا جائے تو ساڑھے تین بجے سے لے کر چار بجے تک کے اندھیرے میں کسی قسم کی صبح کا کاذب نظر نہ آئی ۴۔ بعد میں چونکہ بزرگوں کی ساری تائید اور فیصلے کی بنیاد محترم پروفیسر صاحب کی تحقیق ہے۔ لہذا محترم پروفیسر صاحب کا بزرگوں کے مشاہدے میں ۱۸ درجہ کے وقت سے پہلے پہنچنے اور دوران مشاہدہ صبح کا کاذب کے اعلان پر ۱۵ درجے کو تسلیم کرنا موقوف فرمایا، چنانچہ مشاہدات میں دونوں باتوں کی صراحت پائی جاتی ہے۔ لہذا پروفیسر صاحب کو یہ حقیقت تسلیم کرنا چاہئے تھا مگر ان کی طرف سے کسی قسم کا جواب اس کے بارے میں نہیں آیا حقیقت پسند حضرات کے لئے اس میں کافی سبق موجود ہے

خلاصہ کلام یہ کہ ۱۸ درجے والی تحقیق تو بزرگوں کی طرف منسوب کی جا رہی ہے مگر مذکورہ بالا مشاہدے سے معلوم ہوا کہ یہ تحقیق بزرگوں کی نہیں بلکہ محترم جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب کی ہے۔

نہ ہونے کی وجہ سے قطعاً معتبر نہیں ہیں۔

جواب ::

واقعہ (۱) یہ ہے کہ اذل حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ نے تحقیق کرتے ہوئے اس بات کا اعلان فرمایا کہ پرانے نقشوں کے اوقات میں سے صبح صادق کا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے اور اسی طرح عشاء کا وقت بھی اسی مقدار میں اختتام شفق ابیض کے بعد دیا گیا ہے۔ اس تحقیق کو پرکھنے اور جانچنے کے لئے علماء کرام کی کمیٹی بنائی گئی، جس نے مفتی محمد شفیعؒ کی سرکردگی میں تین دن مشاہدات کئے، ان بزرگوں نے انہی مشاہدات میں واقعی پرانے نقشوں کے صبح کے وقت میں صبح کاذب کی روشنی دیکھی اور اصل صبح صادق کو اس کے کافی دیر بعد مشاہدہ کی۔ ان مشاہدات کی ساری روئیداد حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے خود تحریر فرمادی جسے احسن الفتاویٰ میں نقل کی گئی ہے۔ ان مشاہدات کے نتائج اور علمی تحقیق پر فقہی مجالس منعقد کئے گئے، جس میں علماء کی باقاعدہ بحث و تمحیص ہوتی رہی۔ بالآخر ”مجلس تحقیق“ نے اکابر حضرات کے زیر دستخطی ایک فیصلہ سن کر جاری کیا، کہ واقعی پرانے نقشوں میں صبح صادق کا دیا گیا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ بزرگوں نے اپنے موقف سے رجوع کا اعلان فرمایا، اور دوبارہ پرانے (۱۸ درجے پر بنائے گئے) نقشوں کی تصویب فرمائی۔

اکابر حضرات ہمارے بزرگ ہیں ہم ان کی بے احترامی اپنا سوء خاتمہ سمجھتے ہیں، اللہ نہ کرے کہ ہم جیسے نالائق اور بے عمل کی زبان و قلم سے ان کے خلاف ایک حرف بھی نکلے۔ مگر یہ

ہمیں ان کا سکھایا ہوا سبق ہے کہ ہم ان اسباب و وجوہات کو معلوم کر کے اس پر غور و فکر کریں، کہ وہ کیا راز کی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ان حضرات کو اپنے ختمی فیصلے سے رجوع کرنا پڑا؟ مصنف (مفتی رضوان) صاحب بعض بزرگوں کی عبارات نقل کر کے یہ فرماتے ہیں۔ کہ وہ بنیادی باتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف)..... بعد میں بزرگوں نے تحقیق فرماتے ہوئے ۱۸، درجہ قول کی تصویب کی۔

اس کی وضاحت اوپر گزر چکی ہے کہ درحقیقت وہ بزرگوں کی تحقیق ہی نہیں تھی۔

(ب)..... دوسری بات یہ کہ بزرگوں نے ٹنڈ و آدم میں جو مشاہدات کئے تھے وہ سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی، بنا بریں ان مشاہدات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ اشکال ہے جس کا یہاں وضاحت پیش خدمت ہے۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ بزرگوں کی اول تحقیق زیادہ قابل اقتداء ہے بنسبت اس رجوع کے جو کسی ماہر فن کی تحقیق پر اعتماد کر کے، کی گئی ہے۔ مذکورہ ذیل وجوہات پر غور کر کے اشکال کا ازالہ نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے:-

(۱)..... ایک تو یہ کہ یہ سارے مشاہدات خود حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی سرکردگی میں ہوئے ہیں ایسی کوئی بات ہوتی ان کو نقل کرتے وقت ضرور اس بات کی تصریح پائی جاتی۔ حالانکہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے۔

(۲)..... اگر یہ واقعی ایک تحقیقی سلسلہ تھا تو ان مشاہدات کے بعد بقایا سلسلے میں حضرت مفتی رشید احمدؒ کیوں نہیں شریک؟

(۳)..... اگر یہ سلسلہ تحقیق کی کڑی تھی تو باقی مشاہدات کب ہوئے ہیں؟ ان میں کون کون شریک تھے؟ پھر جن کی سرکردگی میں یہ سلسلہ مشاہدات شروع ہوا تھا یعنی حضرت مفتی محمد شفیعؒ

کیا ان مشاہدات میں حضرت مفتیؒ نے شرکت فرمائی تھی؟

(۴)..... اس سلسلہ تحقیق میں ٹڈ و آدم کے مشاہدات کو بھی شامل کئے گئے تھے یا ان کو تحقیقی سلسلہ سے خارج کر دئے گئے تھے؟

(۵)..... دلائل میں قوی تر دلائل کے ملنے کی وجہ سے بعض کو ترک کئے جاسکتے ہیں یا ان سے رجوع تو معروف و مشہور ہے مگر جب ایک روشنی ایک کیفیت کے ساتھ علماء کی ایک جماعت نے دیکھی اور اس مشاہدے کو بالاتفاق درست قرار دیا گیا تو اس مشاہدے سے رجوع یا اس کو ترک کرنے کا کیا مطلب؟

(۶)..... اگر یہ مشاہدات سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھیں اور ابھی بات ایک طرف طے نہیں ہوئی تھی تو اس کے باوجود حضرت مفتی شفیقؒ مندرجہ ذیل فتویٰ کیوں صادر فرماتے تھے؟ فتوے کی عبارت کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:

حامد اومصلیٰ اتی بات تو یقینی ہوگئی ہے کہ نقوش اور جنتریوں میں جو وقت صبح صادق کا لکھا ہے وہ صبح صادق کا اصلی وقت نہیں ہے بلکہ غالباً صبح کا ذب کا وقت ہے جو اختیاء سحر کے لئے احتیاطاً لکھا گیا ہے..... لہذا نقوش کے مطابق فوراً اذان دے کر مرد یا عورتوں کا نماز پڑھنا درست نہیں۔

(احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۷۷)

(۷)..... اگر آگے تحقیق کا سلسلہ مشاہدات جاری تھا اور ابھی تک طے شدہ کام درمیانی کڑیاں تھیں تو کیا ان کڑیوں میں ”مجلس تحقیق“ کا فیصلہ بھی ایک کڑی کہلائے گا؟ جبکہ لکھنے والے خود مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ہیں: مجلس تحقیق کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

منعقدہ دارالعلوم کراچی ۱۳ ذی قعدہ ۹۲ھ

”اس مجلس میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کے رسالہ صبح صادق کے دلائل پر غور کیا گیا اور متعلقہ کتب کی مراجعت کی گئی نیز مسئلہ کی تحقیق اور مشاہدات کے لئے ٹنڈو آدم کا جو سفر کیا گیا تھا اس کے نتائج زیر غور آئے، بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں:

☆ مسئلہ کے زیر غور آنے کے بعد متفرق ایام میں جتنے مشاہدات کئے گئے ان میں سے کسی میں بھی مروجہ جنتریوں کے مطابق صبح صادق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد ہوئی۔

☆ ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مروجہ جنتریوں میں صبح صادق کے نام سے جو وقت درج لکھا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے صبح صادق کے جو اوقات نکالے ہیں ان کا مقابلہ ٹنڈو آدم کے مشاہدات سے کیا گیا فرق صرف ایک منٹ کا تھا۔

☆ بہر کیف مذکورہ بالا تحقیق سے ہمیں بھی یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے حسابی طریقہ سے جو اوقات نکالے ہیں وہ درست ہیں۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳ ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری

اُس فیصلے پر مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات نے دستخط کئے ہیں:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ حضرت مفتی رشید احمدؒ

حضرت مولانا محمد عاشق الہیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم۔

(۸)..... اگر ٹڈو آدم کے مشاہدات واقعی سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی تو مذکورہ بالا فیصلے کی مصدقہ عبارت میں مندرجہ ذیل جملے قابل غور ہیں:

..... اس کے نتائج زیر غور آئے۔

..... بحث و تہمیس کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں۔

..... مسئلہ کے زیر غور آنے کے بعد

..... ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے

..... مروجہ جنتریوں میں..... وہ درحقیقت صبح کا ذب کا ہے۔

..... کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے حسابی طریقہ سے جو اوقات نکالے ہیں وہ

درست ہیں۔

..... سب سے اہم سوال یہ ہے کہ سلسلہ تحقیق میں مذکورہ بالا مجلس کے انعقاد کی

ضرورت کیوں پڑی؟

اب آئیے دوبارہ محترم مصنف (مفتی رضوان صاحب) کی عبارت پڑھ کر ملاحظہ فرمائے کہ اس

میں کتنی صداقت پائی جاتی ہے؟

”اور درمیان میں بعض اہل حضرات کی طرف سے جدید و قدیم اہل فن کے کچھ

اقوال پیش کر کے ان اہل علم کی اپنی ہی تحقیق کی روشنی میں یہ باور کرایا گیا کہ

اس قدیم جنتری میں جو صبح صادق کا وقت دیا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کا ذب کا

وقت ہے جس کے بعد اس احتمال کی بنیاد پر ممکن ہے کہ نئے اہل فن نے صبح کاذب و صادق میں فرق نہ کیا ہو اور کاذب ہی کو صبح صادق کہہ دیا ہو، حضرت مفتی صاحبؒ کو صبح صادق کے معاملے میں تردد ہو گیا اور اس دوران احتیاطاً سحری کا کھانا قدیم جنتری کے مطابق بند کرنے اور فجر کی نماز پندرہ بیس منٹ بعد پڑھنے کو اختیار فرمایا۔“..... (کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۶۹، ۱۷۰)

”ان تمام اکابر حضرات کی وضاحتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب اور حضرت بنوری رحمہما اللہ نے جور رجوع فرمایا، وہ سابق جنتری کے متعلق تردد و تذبذب سے رجوع تھا، ورنہ آپ کا آخری اور حتمی فتویٰ فیصلہ آپ کے پہلے موقف کے مطابق ہی تھا۔“..... (کتاب زیر تبصرہ صفحہ نمبر ۱۷۷)

مصنف نے کتنی صراحت کے ساتھ (۱۴/ ذی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری کو منعقدہ) دارالعلوم کراچی کا متفقہ فیصلہ جس میں ”... بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں“ جیسی عبارت لکھی ہے اور اس کے بعد جو باتیں تحریر فرمائی ہیں سب کے سب میں نہایت ہی یقین اور ثبوت پر مبنی دعوے موجود ہیں۔ کیا اس جیسی تحریرات جو اکابر کی کی تحریر کردہ اور دستخط شدہ ہیں ”تذبذب“ قرار دیا جاسکتا ہے، جس سے ایک مجمل رجوع کے اقرار کی وجہ سے رو کر دیا جائے؟ پھر مصنف نے انہی عبارت کو دیکھنے کے باوجود اسے کیوں ”تذبذب“ قرار دے دیا؟ آپ مصنف کی یہ عبارت پڑھ لیجئے گا اور اوپر حضرت محمد تقی عثمانی صاحب کے قلم کا متفقہ فیصلے کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے گا۔ کیا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نہیں ہے؟ محترم مصنف آگے مزید تحریر فرماتے ہیں:

”اور ان حضرات نے اولاً تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کو حتمی طور پر قبول ہی نہیں کیا تھا۔ لہذا درمیانی رائے احتیاطی تھی، دوسرے وہ

مشاہدات و تحقیقات بھی مکمل نہیں تھیں۔“ (ایضاً)

مصنف (مفتی رضوان) صاحب کی خدمت میں ہم گزارش کریں گے کہ جب ایک فیصلہ باقاعدہ اور باضابطہ طور پر علماء کی مجلس تحقیق میں زیر بحث لایا جائے اور اس بحث و تمحیص کے بعد مذکورہ بالا عبارت پر اکابر کے دستخط ہو جائیں اور اس کے باوجود اسے ”قبول نہ کرنا“ ہی کہا جاتا رہے تو یہ معما کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ علاوہ ازیں مصنف بزرگوں کی جس رجوع کو ہی اصل قرار دے کر پرانے نقشے کو ”قبول کرنے“ کی زینت بخشنے کی کوشش فرما رہے ہیں، کیا اس دعوے پر اس قسم کی تحریر جس میں کسی مجلس تحقیق کی تفصیلی روئداد اور متفقہ فیصلے کی صورت میں زیر دستخطی موقف موجود ہو، مصنف پیش کر سکتے ہیں، جسے ”قبول کرنا“ کہا جاسکے؟ کیا مذکورہ بالا شواہد کو پڑھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ ابھی سلسلہ تحقیق پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا ہے؟ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ بزرگوں کو کسی نے محض اپنی تحقیق سے باور کرایا تھا؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ صرف شک و تردید کی بنیاد پر محض احتیاطاً ۱۵ درجے کا فتویٰ دیا گیا تھا؟ کیا بالکل یقین کے ساتھ پرانے نکتوں کے صحیح صادق کے اوقات کو ٹنڈ و آدم ہی کے مشاہدات کی بنا پر صراحت کے ساتھ صحیح کاذب نہیں قرار دیا گیا ہے؟

18 والوں سے گزارش!

جو حضرات اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ بزرگوں سے فتویٰ باور کرا کر دلایا گیا تھا، اور تندر و آدم کے مشاہدات سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی تھی تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ مذکورہ بالا سوالات کا واضح طور پر جوابات ارشاد فرمائیں۔

اختلافِ اکابر میں نقطہ بحث کیا ہے؟

محترم مصنف (مفتی رضوان) نے جس انداز سے طرزِ کلام کو زور دیا ہوا ہے، اس سے دو باتوں کا اندازہ ہو رہا ہے۔ اول یہ کہ مصنف کو اصل حقیقت کا نہیں پتہ کہ اختلاف کس چیز میں ہے ہم کس چیز کے انکار پر مصر ہیں؟ اور یا یہ کہ مصنف جان بوجھ کر ایسی باتیں تحریر فرماتے ہیں جس سے لوگوں پر اصل حقیقت مشتبہ ہو سکے۔ ہم موصوف پر حسن ظن کرتے ہوئے مؤخر الذکر کی نسبت اہل علم کی طرف نہیں کر سکتے، البتہ پہلی بات (یعنی عدم علم) ممکن ہے۔

بات یہ ہے کہ اکابر کے اختلاف کے حوالے سے متنازع فیہ امر یہ ہے کہ اکابر نے جن وجوہات اور بنیادوں کو مد نظر رکھ کر رجوع فرمایا ہے دراصل ان میں کلام ہے۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اکابر نے رجوع فرمایا ہے یا نہیں؟ محترم (مفتی رضوان) نے جتنی بھی عبارات حوالہ کے طور پر نقل فرمائی ہیں ان سب کا تعلق اس دوسرے امر کے ساتھ ہے، یعنی اس سے زیادہ سے زیادہ اکابر کی رجوع کا ثبوت یقینی ہو جائے گا، اور یہ تحصیل حاصل ہے۔ اب یہ بات کہ رجوع کیوں فرمایا ہے اس کی بنا دیں کیا ہیں؟ ایسی صورت حال میں ہمارے اوپر اس کا قبول کرنا لازم ہے یا تحقیق کی بھی گنجائش باقی ہے؟ پس جو شخص اس بات کا دعویدار ہو کہ ان کی رجوع کی بنیاد بالکل مضبوط تھی بنسبت اس تحقیق کی جو کہ پہلی ہوئی تھی تو اس پر صرف اکابر کی رجوع پر مشتمل تحریریں نہیں (جیسا کہ مفتی رضوان نے بلکہ ایسے شواہد پیش کرنے پڑیں گے جو ہر اعتبار سے مرجوع عنہ کے شواہد سے مضبوط تر ہوں۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ تحقیق اول میں بزرگ اکابر حضرات مشاہدات میں خود شریک ہوئے تھے، انہوں نے اسی سلسلے میں مختلف فقہی مجالس منعقد کی، ان مجالس میں اس مسئلے پر

بحث و تمحیص بھی ہوئی، علاوہ ازیں ان حضرات کے ذہن اس وقت فنی پیچیدگیوں سے بالکل پاک و صاف تھے چنانچہ ان کی بحث و تمحیص یقیناً شرعی اصولوں کے تحت ہوگی۔ بالآخر ۱۳ ذی قعدہ ۹۲ھ کو آخری مجلس کا انعقاد ہوا اور اس کے اندر جس انداز میں فیصلہ سنایا گیا اس کی قوت و یقین اور صحت پر اس تحریر کا ایک ایک حرف کو ابی دینے کے لئے پکار رہا ہے، جسے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بقلم خود تحریر فرمائی ہیں۔

اس کے برعکس جب ہم رجوع کے اعلان کے بعد دیکھتے ہیں تو محسوس ایسا ہوتا ہے جیسا کہ اکابر ابھی سائیڈ پر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ہمیں نہ اسی طرح مشاہدات میں اکابر نظر آتے ہیں، نہ کوئی فقہی مجلس ریکارڈ پر ہے، نہ کوئی اجتماعی اور اکابر کے زیر دستخطی تحریر دکھائی دے رہی ہے۔ اگر نظر آتا ہے تو وہ رجوع کا ثبوت ہی تو ہے۔ یا اگر کچھ ملتا ہے تو اہل فن ہی کے اقوال ملتے ہیں۔ ایسی صورت حال کو سامنے رکھ کر بزرگوں کی رجوع کو مجمل اور مبہم نہ قرار دیا جائے تو اور کیا کیا جائے؟ لہذا مصنف (مفتی رضوان) کا اظہار تعجب بذات خود تعجب ہے کہ انہی حقائق کے ہوتے ہوئے بھی وہ صورت حال کا صحیح نقشہ نہ کھینچ سکے، لکھتے ہیں:

”لہذا احسن الفتاویٰ میں مذکور یہ سخت فیصلہ قابل اطمینان نہ ہو سکا، بلکہ باعث تعجب ہے“

(کتاب مذکور ج ۷، ۷۷، آخری سطر در حاشیہ)

حقیقت کیا ہے؟

دراصل حقیقت یہ ہے کہ پہلے سے ہی یہاں پاکستان میں اوقات صلوٰۃ کے پرانے نقشے استعمال ہوا کرتے تھے۔ عمومی طور حضرات اکابر نے کوئی خاص ضرورت اس کے پرکھنے کی محسوس نہیں فرمائی بلکہ ایک آدھ وقت کا مشاہدہ کر کے باقی کی صحت پر اعتماد کیا تھا۔ مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

۱۳۶۸ھ اور ۱۹۴۸ء میں جب احقر پاکستان کراچی میں آکر مقیم ہوا تو یہاں کی عام مساجد وغیرہ میں اوقات ایک جنتری طبع کردہ حضرت حاجی وجیہ الدین صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ آویزاں دیکھی اور بہت سے قابل اعتماد حضرات سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اس جنتری کے طلوع وغروب کو مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں جانچا ہے، اور صحیح پایا ہے، خود بھی جب کبھی جانچنے کا موقع ملا تو اس کے طلوع وغروب کو صحیح پایا، اس لئے دوسرے اوقات کے معاملہ میں بھی اسی پر اعتماد کیا گیا۔ (احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۹۱)

پھر تقریباً ۱۹۷۰ء میں حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ کی تحقیق سامنے آکر صبح صادق اور عشاء کے اوقات میں کافی سارا فرق نکل آیا جس کی وجہ سے ماحول میں کافی ساری بے چینی پھیل گئی۔ اسی بے چینی کی وجہ سے حضرات اکابر، جن کے سر پرست حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تھے، نے اسی تحقیق کی جانچ پڑتال کر کے مجلس تحقیق کی وساطت سے ۱۳۹۲ھ ربیعہ فیصلہ فرمایا۔ جس کی عبارت اوپر آپ پڑھ آئے شروع سے لے کر یہاں مجلس تحقیق کے فیصلے تک ساری تحقیق کی کارروائی ریکارڈ پر ہے اور اس کی سرپرستی باضابطہ طور پر حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے فرمائی، مشاہدات بھی بزرگوں کی سرکردگی اور ان کی موجودگی میں ہوئے۔ پھر ان تحقیقی مراحل طے کرنے کے بعد مجلس تحقیق کا انعقاد و انتظام، اس کے اندر اس موضوع پر بحث و تجویز وغیرہ یہ تمام امور انہی بزرگوں کی زیر سرپرستی میں طے ہو گئے اور بالآخر اکابر کے زیر دستخط اجتماعی فیصلے کی تحریر و ضبط حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے ہی قلم سے وجود میں آکر باقاعدہ طور پر جاری ہوا، کہ پرانے نقشوں میں صبح صادق کا وقت دراصل صبح کاذب کا وقت ہے اور صحیح صبح صادق کا وقت اس کے تقریباً ۱۵، ۲۰ منٹ بعد داخل ہوتا ہے جو مفتی رشید احمد صاحب

کے نقشے کے بالکل مطابق ہیں، اور اسی سے گزشتہ جو تذبذب پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔
اس کے تقریباً ایک سال بعد ۱۳۹۳ھ میں دوبارہ یہ مسئلہ کھڑا ہوتا ہے اور اس پر تحقیق ہوتی ہے جس کی وجہ سے بالآخر بزرگوں کی رائے دوبارہ پہلی تحقیق کے برعکس پرانی تحقیق پر آکر رجوع کی شکل میں سامنے آتی ہے۔

دونوں میں فرق:

مگر اس تحقیق اور پہلی تحقیق میں نمایاں فرق جو سامنے ہے وہ یہ ہے کہ:
(۱)..... پہلے سرپرستی حضرات اکابر کرتے تھے اور اب اول تو یہ کہ کوئی نہیں معلوم اور اگر معلوم ہے تو محترم پروفیسر عبداللطیف صاحب ہیں۔

(۲)..... پہلی تحقیق میں بزرگوں ہی کی سرکردگی میں مشاہدات کا سلسلہ چلا تھا جبکہ دوسری تحقیق میں سرے سے بزرگوں کی شرکت ہی نظر نہیں آتی۔

(۳)..... پہلی تحقیق کا فیصلہ باضابطہ طور پر مجلس تحقیق کے سامنے پیش ہو کر متفقہ طور پر زیرِ دستخط جاری ہوا جبکہ دوسری تحقیق کے لئے کوئی ایسا انتظام ہمارے علم میں نہیں ہے۔

(۴)..... یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ ایک اسلامی محقق کے لئے دیگر علوم و فنون کے علاوہ عربی زبان اور فقہ اسلامی میں مہارت و دسترس ضروری ہوتا ہے، چنانچہ:

(۵)..... پہلی تحقیق کے محقق فقیہ العصر، مرشد العلماء اور ماہر فن فلکیات حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب ہیں جبکہ دوسری تحقیق کے محقق جناب محترم پروفیسر عبداللطیف صاحب ہیں۔ جن کے لئے عربی عبارات کے تراجم حضرت مفتی رضاء الحق صاحب نے کئے ہیں۔

(۶)..... پہلی تحقیق جس علم کی روشنی میں پایہ تکمیل تک پہنچی تھی وہ حضرات اکابر کے پاس بدیع اعلیٰ موجود تھا جبکہ دوسری تحقیق کی بنیاد میں جس علم سے کام لیا گیا ہے، بقول سرپرست تحقیق

محترم پروفیسر صاحب اس سے حضرات اکابر سارے ناشنا تھے۔

اب آپ خود سوچ کر فرمائیے کہ پہلی تحقیق و مشاہدات کو سلسلہ تحقیق کی درمیانی کڑی کہا جائے یا دونوں مستقل تحقیق قرار دینا چاہیئے؟ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ پہلی تحقیق درمیانی کڑی نہیں ہے بلکہ ایک مستقل اور فیصلہ شدہ نتائج پر مشتمل تحقیق ہے اور دوسری کی بنسبت نہ صرف یہ کہ زیادہ قابل اقتداء ہے، بلکہ اس کے سامنے دوسری تحقیق کی حیثیت ہی کوئی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں فاضل مصنف نے علماء کرام کے قلم سے جتنے بھی تائیدی اقوال اور آراء نقل کی ہیں وہ اس دوسری تحقیق کے ساتھ متعلق ہو کر بزرگوں کی تقلید میں وارد ہوئے ہیں۔ ایسی صورتحال میں جب اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے تو بزرگوں کا احترام سر آنکھوں پر کرتے ہوئے مسئلے کا از سر نو تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لینا چاہیئے۔

اظہار حق اور اکابر کا ہر کا احترام:-

کوئی کوتاہ فہم مذکورہ بالا بحث سے یہ مراد نہ سمجھے کہ راقم کے نزدیک معاذ اللہ وہ بزرگ اکابر قابل احترام نہیں ہیں یا ان بزرگوں نے (معاذ اللہ) جان بوجھ کر جھوٹی تصدیق و تائید فرمائی تھی دراصل کسی بھی علمی شخصیت کا مکمل احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ان کیساتھ دلیل پر مبنی علمی اختلاف کو آج تک کسی عالم ربانی نے ناجائز نہیں قرار دیا ہے بلکہ خود ان بزرگوں کے عمل سے یہ بات ہم طالب علموں نے سیکھی ہے کہ اکابر کا احترام کرتے ہوئے بعض اوقات اظہار حق ضروری ہو جاتا ہے۔ اکابر کے احترام اور اظہار حق کی ایک مثال آپ فتاویٰ عثمانیہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ دیوبند سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے رمضان میں نوافل کی جماعت کو قیام اللیل کے زمرے میں داخل کر کے جائز قرار دیا تھا۔ مگر اسی کے جواب میں اس کے برعکس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحبؒ، جو اس وقت دورہ حدیث میں داخلہ لینے

والے تھے، نے مطلقاً مکروہ قرار دے دیا جس کی تصویب حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے فرما کر مستفتی کو ارسال کر دیا گیا۔ اور ازالہ شبہ کی خاطر اکابر کے احترام کے عنوان کے تحت یہ وضاحت فرمائی کہ یہ طریقہ کار اکابر کے احترام کے نہ صرف یہ کہ منافی نہیں بلکہ یہ عین ان کی تعلیم ہے۔ مختصر یہ کہ جب ایک دعویٰ کے اثبات میں اکابر کی تحقیق کا فرما ہی نہ ہو بلکہ ایک ماہر فن فلکیات کی تحقیق پر محض ان بزرگوں کی تائید و تصویب کی بنا پر عمل عام ہو جائے تو اسکو جمہور علماء کی تحقیق یا اسکو اکابر کی تحقیق قرار دینا قطعاً درست نہیں ہے۔ یعنی محض ظاہری طور پر عمومی قبولیت استدلال کے باب میں مفید نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

(۱)..... یہ ہوا کہ چونکہ پرانے نقشے، محققین علماء کی طرف سے نہیں بلکہ، ویسے بغیر پرکھ کے ان دیکھے عملی طور پر مشہور ہو گئے ہیں۔ لہذا اس کو جمہور کا عمل قرار دیکر اس کی مخالفت کو مطلقاً ناجائز سمجھنا اصول تحقیق کے خلاف ہے۔ پھر خصوصاً جب اس کے برعکس محققین علماء کی ایک کثیر تعداد ان نقوشوں میں غلطی کے قائل ہوں، اور ان محققین کی طرف سے یہ فیصلہ کوئی جز بات یا مبنی بر تعصب نہ بلکہ ان میں اکثریت نے ذاتی طور پر تجربات و مشاہدات کر کے یہ نتائج اخذ کئے ہیں جن کے تفصیلی حوالجات اوپر گزر چکے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس کو تفرقہ داور پرانے نقشے کو جمہور کا معمول بہ قرار دے، تو یہ بات حقانیت سے کوسوں دور ہے۔

(۲)..... دوسری بات یہ ثابت ہو گئی کہ ظاہری طور پر کسی چیز کی شہرت اس کی صحت اور اصلیت پر دلالت ہرگز نہیں کرتی۔ کیونکہ احتمال خطاء ہر جگہ موجود ہے۔ علامہ شامیؒ نے فقہاء احناف کے بڑے بڑے مضبوط اور قد آور شخصیات کی طرف سے وقوع خطاء کا تذکرہ فرما کر ان لوگوں

کو سبق دینے کی کوشش کی ہے کہ جو لوگ فتویٰ دینے کی جسارت کریں گے تو ان پر لازم ہے کوئی بھی مسئلہ ہواصل تاخذ سے نقل کرنا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ایک غلطی کسی بھی صورت میں کہیں سے بھی جب نکل پڑتی ہے تو پھر صدیوں کو پار کرنے سے پہلے وہ رکتی نہیں۔ کو یا محققین اور اہل علم حضرات کا قول و عمل چونکہ قابل اقتداء ہوتے ہیں لہذا ان حضرات کو مسائل کے میدان میں انتہائی احتیاط اور حد درجہ بیداری سے کام لیکر چلنا چاہئے ورنہ ان کی ایک لغزش مسلمانوں کی عملی بربادی کا سامان بن سکتی ہے۔ لہذا اس اصول کو مد نظر رکھ کر کوئی شخص فریقین (تاکلمین 18 درجے اور تاکلمین 15 درجے) کے دلائل، استنباط و استدلال اور محققین کی آراء کا منصفانہ جائزہ لینے کی بات کرتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆☆☆☆

اگلے صفحات میں

مذکورہ بالا مضمون کے جواب میں

مفتی رضوان صاحب کی طرف سے

جوابی کارروائی اور اس کا جائزہ ملاحظہ فرمائیں

مفتی رضوان صاحب کی طرف سے

جوابی کارروائی اور اس کا جائزہ

پچھلے صفحات میں ذکر کردہ تبصرہ محترم مفتی رضوان صاحب کی خدمت میں ارسال کیا گیا تو انہوں نے اس پر جوابی کلام تحریر فرمایا۔ جو ”کشف الغطاء عن وقت الفجر والعشاء“ کے نام سے ”ادارہ غفران“ سے شائع کیا گیا۔ ہمیں اس کی ایک کاپی ملی وہ کیسے ملی اس کی روئیداد نقل نہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔ بہر حال وہ کاپی ادارہ غفران ہی سے پھر ڈاکخانے کے ذریعے ہمارے پاس پہنچ گئی۔ ہم اس بات پر ادارہ غفران کے مشکور ہیں۔ جس میں مؤلف مذکور نے راقم کی کتاب ”کشف الغطاء“ کے دیگر مقامات کی طرح ”اختلاف اکابرؒ“ کی بحث کا بھی جواب ضروری سمجھا۔ لہذا مفتی صاحب نے ”کشف الغطاء“ میں صفحہ 207 تا 229 تک زیر بحث موضوع پر 23 صفحات پر مشتمل تحریر لکھ ڈالی۔ جس کے جواب میں ہماری طرف سے بھی جوابی کتاب بنام ”کشف الستور عما فی کشف الغطاء بین السطور“ ادارہ غفران میں الحمد للہ پہنچ گئی جیسا کہ قارئین پر یہ بات مخفی نہیں کہ ”اختلاف اکابرؒ“ کے حوالے سے ”کشف الغطاء“ میں ہمارے موضوع کا محور بنیادی طور پر دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ مؤلف صاحب نے چند حقائق حذف کئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ 18 درجے کی تحقیق کی اصل روح بدل ڈالی ہے۔ پہلے کی وضاحت یہ ہے کہ ہم نے باقاعدہ ثبوت کے ساتھ وہ حقائق نقل کئے جنہیں محترم نے چھوڑ دئے تھے۔ دوسرا ہم نے مجلس تحقیق کا فیصلہ نقل کر کے یہ حقیقت بھی بے نقاب کر دی کہ بزرگوں نے جب 15 درجے پر صبح صادق کا قول اختیار فرمایا تھا تو وہ محض ان کا رد نہیں تھا بلکہ باقاعدہ

طور پر تحقیقی مراحل کے بعد اکابر ہی کی ”فقہی مجلس“ کا فیصلہ تھا۔ اور اس کے بعد 18 درجے کو اختیار کرنا ان کی طرف سے ”رجوع“ کا معاملہ تھا۔ پھر تیسری بات یہ سمجھ لیجئے کہ محترم مصنف (مفتی رضوان) صاحب سے ہم نے مطالبہ کیا کہ مشاہدات اور مجالس تحقیق کے نتیجے میں صادر شدہ ایک منفقہ فیصلے کی تنبیخ کے لئے صرف یہ بات کافی نہیں کہ محض اکابر کے ”رجوع“ کا علم ہو جائے۔ بلکہ پہلے سے قوی تر تحقیق کی ضرورت ہوگی، جس میں رجوع کے بنیادی اسباب کا تذکرہ اور پہلی تحقیق کی طرح مکمل طور پر مشاہدات اور مجالس فقہاء کا ریکارڈ درج ہو۔ پہلی تحقیق کی یہ ساری تفصیلات اگر ریکارڈ پر ہیں تو دوسری تحقیق کا ریکارڈ کہاں غائب ہو گیا؟

کشف الغطاء میں ہمارے کلام کا جواب تو 23 صفحات پر مشتمل کر کے دیا گیا ہے مگر ہمارے مضمون میں بنیادی طور پر جو نکات تھے جن پر اصل مسئلے کا دار و مدار تھا، اس کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی۔ یہاں کشف الغطاء کی پوری بحث کو نقل کرنا شاید ہمارے لئے مشکل ہو کیونکہ یہ رسالہ اتنی طوالت کا متحمل نہیں ہے۔ اور نہ ساری ابحاث قابل التفات ہیں۔ احقر ایک مثال عرض کریگا۔ مثلاً ہم نے کشف الغطاء میں مصنف مذکور کی تحریر کا خلاصہ اپنے الفاظ میں نمبر وار درج کیا (ملاحظہ ہو: ص: 12، 13 رسالہ لہذا) قارئین ان صفحات سے پہلے مصنف کی عبارت ملاحظہ فرمائیں پھر انہی صفحات میں ہمارا خلاصہ دیکھیں ہم نے اس میں کوئی خیانت کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ طریقہ ہم نے ایک مجبوری کی خاطر اختیار کیا ہے جو کہ ہمیں مصنف موصوف کی طرف سے پیش آئی تھی، جو حقائق حذف کئے تھے ان کا اظہار طریقہ مذکورہ کے بغیر مشکل تھا، اور عام مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے اسے منظر عام پر لانا ضروری بھی تھا تو وہ تب ممکن ہوا کہ ہم نے نمبر ۴ کے بعد نقطہ وار لائنیں چھوڑ کر بعد میں ذیلی نمبر دے کر ان کی وضاحت پیش کر دی۔ مگر ”کشف الغطاء“ کے مصنف ہمارے اسی عمل کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

”اس کے بعد معترض صاحب نے ہمارے مضمون کے صفحہ ۱۷۰ کی عبارت نقل کی ہے، اور ہماری اس عبارت کا خلاصہ اپنے لفظوں میں سات شقوں میں نکالا ہے، جو معترض صاحب کی غفلت کی دلیل ہے۔ پھر خود ہی معترض صاحب لکھتے ہیں کہ: اگر مذکورہ بالا نکات ہم نے درست نکالے ہیں تو اس کا اجمالی جائزہ یہ ہے (کشف الغطاء ص ۱۹۷ بلقطہ) مگر چونکہ یہ نکات معترض صاحب نے خود نکالے ہوئے ہیں، اسی لئے ان پر جو کلام کیا، اس کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہیں۔“

(کشف الغطاء، ص ۲۰۸)

قارئین ملاحظہ فرمائیں ہم نے مؤلف مذکور کی پوری عبارت نقل کر کے اسی کا خلاصہ پیش کیا اس میں ہم نے کیا جھوٹ لکھایا ہم نے عبارت کا کونسا خاص اور اہم حصہ حذف کر دیا ہے، یا ہم موصوف کی عبارت کا کون سا حصہ نہ سمجھ سکیں؟ جس کی وجہ سے اسے لکھنا پڑ رہا ہے کہ یہ ”معترض صاحب کی غفلت کی دلیل ہے“ حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ وہ حقائق کو تسلیم کر لیتے اور جہاں ہم نے غلطی کی تھی اسی کا مدلل جواب تحریر کرتے۔ مگر یہ کونسا علمی طریقہ ہے کہ اس کے جواب میں یہ لکھ بیٹھے ”مگر چونکہ یہ نکات معترض صاحب نے خود نکالے ہوئے ہیں، اسی لئے ان پر جو کلام کیا، اس کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہیں“ سوال یہ ہے کہ نکات اگر مفتی صاحب کے کلام سے واقعی نکلے ہیں تو اپنی عبارت کا دفاع مفتی صاحب نہیں کریں گے، تو اور کون کرے گا؟ پھر مفتی صاحب اسے ہمارے ذمے کیوں لگاتے ہیں؟ چنانچہ مؤلف مذکور نے اس قسم کی بہت ساری غیر متعلقہ اسحاٹ چھیڑتے ہوئے کلام کو اچھا خاص طول دیا ہے۔ لہذا ہمیں سب کو نقل کرنا یا سب کا جواب دینا بالکل ایک لایعنی کام نظر آ رہا ہے۔ پس اس بحث کا جو جواب ”کشف الاستور“ میں احقر نے دیا ہے مناسب ہے کہ اسی کو بعینہ یہاں درج کر دیا

جائے۔ چنانچہ آنے والے مضمون میں جہاں مصنف کی کتاب کا تذکرہ آتا ہے تو حوالہ درج ہوگا ورنہ اس سے مراد ”کشف الغطاء“ ہوگا۔ اسی طرح اگر بغیر حوالے کے صفحات کا تذکرہ بالخصوص عنوان کے متصل نیچے جو صفحات کا حوالہ درج ہے، اس سے بھی مراد ”کشف الغطاء“ ہے۔

معذرت:

احقر رسالہ لہذا کے قارئین سے معذرت چاہتا ہے کہ ہم عمومی طور پر تحریر و کلام میں تشدد سے بہت سختی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کشف الغطاء میں جو انداز کلام اپنایا گیا ہے، الامان والحفیظ۔ چونکہ آنے والے صفحات میں ”کشف الغطاء“ ہی کا جواب مقصود ہے لہذا بتقاضاء بشریٰ حد درجہ کوشش کے باوجود احقر کے کلام میں شاید کچھ تیزی محسوس ہو رہی ہو۔ لیکن یہ مؤلف موصوف کے انداز کا غیر اختیاری رد عمل ہے جس پر اقم قارئین سے معذرت خواہ ہے

شوکت علی قاسمی

۲۲ شوال ۱۴۳۲ھ

صبح صادق کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت

اور جمہور کا عمل؟

..... صفحہ نمبر ۲۰۷ تا صفحہ نمبر ۲۲۹

(کشف الغطاء کے صفحات)

کشف الغطاء کے مؤلف نے پہلے رسالے ”صبح صادق و کاذب اور وقت عشاء کی تحقیق“ میں بعض اکابر کے اختلاف کا تذکرہ کر کے کچھ بے بنیاد واقعہ اور حالات کی یقین دہانی کرائی تھی کہ حضرت مفتی رشید احمد لودھیانویؒ نے بزرگوں کو باور کرا کر ۱۵ درجے کی تحقیق درست ظاہر کی ہے۔ پھر لکھا ہے کہ بزرگوں کو اس کی وجہ سے تردد ہو گیا اور جب انہوں نے بعد میں صحیح تحقیق کی تو پہلے شک و تردد والی حالت سے رجوع فرمایا۔ اور پھر اس رجوع پر متعدد حوالے اور عبارات نقل کی ہیں۔

اس کے جواب میں ہماری گزارش یہ تھی کہ بزرگوں نے واقعی ۱۵ درجے کے قول سے رجوع فرمایا ہے اس سے اگر مفتی رشید احمد صاحبؒ انکار نہیں فرماتے تو ہمیں اس کے ثبوت میں کوئی شبہ نہیں مگر جس طرح رشید احمد صاحبؒ کا بیان ہے:

”قلب میں اکابر کی محبت و عظمت اور ان کے علمی و عملی بلند مقام کی وقعت کے

باوجود مسائل شرعیہ میں دلائل کے پیش نظر ان سے اختلاف رائے واجب ہے، اس

لئے ان دونوں بزرگوں کے رجوع سے متعلق چند امور پیش کرنے پر مجبور ہوں:

(۱)۔۔۔ جب اس مسئلہ کو ابتداء میں نے ہی مجلس تحقیق میں پیش کیا تھا اور میری ہی

تحریر پر مشاہدات اور مجلس تحقیق کے فیصلے ہوتے رہے تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ اگر کوئی نیا انکشاف ہوا تھا تو اس سے مجھے بھی آگاہ کیا جاتا تھا اور اس پر اجتماعی غور کے لئے مجھے شریک کیا جاتا مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ میرے دریافت کرنے پر بھی سابق فیصلوں سے رجوع کی وجہ نہیں بتائی گئی۔

(۲)..... حقیقت یہ ہے کہ کہ ایک فقہیں فطین نے میری ہی تحریر میں ایک انگریزی کتاب کے حوالہ سے زوڈیکل لائٹ کا بیان دیکھا تو یہ کتاب ان اکابر کو دکھا کر یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ زوڈیکل لائٹ ہی صبح کا ذب ہے حالانکہ میں بہت پہلے دلائل سے ثابت کر چکا تھا کہ زوڈیکل لائٹ کا صبح کا ذب سے کوئی تعلق نہیں، غالباً میری یہ تحریر ان اکابر کی نظر سے نہیں گزری ہوگی، اس کی مفصل بحث عنوان ”مشاہدہ میں غلط فہمی کے اسباب“ کے نمبر میں گزر چکی ہے۔

(۳)..... دونوں حضرات کی تحریر بالکل مجمل بلکہ مبہم ہے، ان میں نہ تو میری کسی دلیل کے جواب کی طرف کوئی اشارہ ہے اور نہ ہی اپنی تائید میں کوئی دلیل ہے، دونوں ہز رگوں کی تحریروں میں جس جدید انکشاف کا ذکر ہے وہ وہی زوڈیکل لائٹ ہے جس کی حقیقت میں بہت پہلے لکھ چکا تھا۔

(۴)..... دلائل پر مبنی فیصلہ سے تو رجوع ممکن ہے مگر تین روز تک گیارہ علماء کے متفقہ یعنی مشاہدات سے رجوع کا کیا معنی؟

(۵)..... ان حضرات کے بلا دلیل اختلاف سے اس متفقہ مسئلہ کو مسائل اختلافیہ کی فہرست میں لانے کا کوئی جواز نہیں، اس لئے کہ ۱۸ درجے زیر افق پر صبح صادق کا دنیا میں آج تک کوئی ایک فرد بھی قائل نہیں ہوا، ایسی متفق علیہ حقیقت سے انکار کو اختلاف نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ خلاف دلیل کہلاتا ہے (احسن الفتاویٰ جس ۲/۱۹۰)

اسی طرح ہم نے کشف الغطاء میں اس حقیقت کی نشاندہی کی تھی کہ دراصل سوال رجوع کے اثبات و عدم اثبات میں نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ رجوع کی بنیادی وجوہات و دلائل کون سی ہیں جو اس وقت اکابر کے سامنے تھیں؟ آج اس مسئلے کو اٹھا کر کشف الغطاء کے مؤلف (مفتی رضوان) اگر ۱۸ درجے کی وکالت کرنے کا ذوق رکھتے ہیں تو انہیں آزاد تحقیق کرنے کی ضرورت ہے، علاوہ ازیں اگر بزرگوں کی بات کو درمیان لانا چاہتے ہیں تو انہیں ثالث کا کردار ادا کر کے ”تصویر کے ایک رخ“ والے معاملے کے ارتکاب سے گریز کرنا چاہئے۔ بلکہ بزرگوں کے معاملے کو اسی طرح ذکر کرنا چاہئے جیسا کہ ہوا ہے، مؤلف (مفتی رضوان) نے بزرگوں کی تحقیقی سلسلے کی حقیقت کو مخ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ ہم نے کشف الغطاء میں ان حقائق سے پردہ اٹھایا جنہیں موصوف چھپانا چاہتے تھے، پھر آخر میں ان (مفتی رضوان) کی خدمت میں چند سوالات اس غرض سے پیش کئے تاکہ حقائق سامنے آکر قارئین مطمئن ہو جائیں، مگر ہمارے محترم پھر وہی عبارات یا ایک آدھ بڑھا کر پیش کرنے لگے اور مزید یہ کہ جوابات دینے کی بجائے، پہلی محنت کو ضائع ہونے سے بچانے کی خاطر ایسے امور کا ارتکاب کر گزرے، کہ کم از کم ہمارے علم کے مطابق اسلامی تاریخ میں ایسا شخص شائد کوئی گزرا ہو جس نے ایسی حرکت کی ہو، مؤلف کشف الغطاء لکھتے ہیں:

”رہا معترض صاحب کا اس کے بعد سوالات کے جوابات کا معاملہ تو ان کے واضح

جوابات اکابر کی تحریرات میں موجود ہیں، جن پر ہمیں بحمد اللہ اطمینان حاصل ہے“

(کشف الغطاء، ص ۲۲۶)۔

اگر اکابر کی تحریرات میں ان سوالات کے جوابات موجود ہیں تو ان کی نشاندہی پر کتنا وقت صرف ہوتا تھا، پیش کر دیتے، جس سے کم از کم قارئین کی الجھن تو ختم ہو جاتی، مگر اپنے

جھوٹ پر پردہ ڈالنے کے لئے ایک اور مبہم عبارت لکھ دی، علاوہ ازیں حضرت مفتی رشید احمدؒ کا بیان گزر چکا جس میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ بزرگوں کی تحریرات مجمل بلکہ مبہم تھیں حتیٰ کہ ان کے اندر کسی قسم کی دلیل پر مبنی بات نہیں تھی، اور نہ اس میں حضرت کی کسی دلیل کا جواب مذکور تھا۔ چنانچہ یہاں مؤلف نے صرف یہ ذکر کیا کہ ہمیں ”اطمینان حاصل“ ہے۔ حالانکہ موصوف کو پتہ ہونا چاہئے کہ ایسی مواقع میں اپنے اطمینان کو نہیں دیکھا جاتا، خود تو ہر آدمی مطمئن ہوتا ہے یہ خود ساختہ اطمینان تو بچوں، پانگوں اور ہر باطل پرست کو بھی حاصل ہوتا ہے، بھائی صاحب بات اپنے اطمینان کی نہیں ہوا کرتی دوسروں کو دلائل کے ساتھ مطمئن کرنا ضروری ہوتا ہے۔ جبکہ مفتی صاحب اپنے اطمینان پر مطمئن ہو گئے۔

قارئین کی خدمت میں ہماری گزارش ہے کہ یہ باب ”اکابر کے اختلاف کی حقیقت“ کو کشف الغطاء میں ضرور مطالعہ فرمائیں۔ یہاں چند شبہات کا ازالہ مقصود ہے۔

حضرت مولانا روحانی بازاریؒ:

کشف الغطاء میں ہم نے کہا تھا کہ ۱۸ درجے والے نقشے پر لوگوں کا عمل بلا دلیل، بلکہ اکابر کی طرف منسوب حسن ظن پر مبنی ہے۔ درحقیقت اس نقشے پر اتنی تحقیق کسی مستند عالم کی موجود نہیں۔ یہ ماہرین فن کی تحقیقات ہیں جن پر بزرگوں کو مطمئن کر کے ۱۵ درجے والی تحقیق سے رجوع وجود میں آ گیا ہے۔

اس پر کشف الغطاء میں مؤلف نے کہا کہ زیادہ نہیں صرف مولانا روحانی بازاریؒ کی تحقیق بلکہ تصدیق بھی کافی ہے۔

اس کے بارے میں عرض یہ ہے ہم بزرگوں کی تنقیص کا معاذ اللہ سوچ بھی نہیں سکتے، مگر اصولی طور پر یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ نئے درپیش مسائل میں بالخصوص جس میں فن نے

مداخلت کر کے ٹھیک ٹھاک اپنا اثر کر دکھایا ہو تو اس صورت میں صرف ماہرین فن پر اعتماد کرنے کی بجائے خود اپنی کوشش و مشاہدات کرنا چاہئے۔ ذیل میں مولانا روحانی بازی کے بارے میں محترم جناب سید شمیر احمد کا کاخیل صاحب مدظلہم کی تنقید کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

”کیا کسی جگہ کا وقت معلوم کرنے کے لئے ہم کسی اور جگہ کا نقشہ چند منٹوں کے جمع تفریق سے نکال سکتے ہیں جیسا کہ لاہور کا نقشہ فلکیات جدیدہ مرتبہ مولانا محمد موسیٰ مطبوعہ 1392ھ ہجری میں صفحہ نمبر 348 پر معروف و مستعمل طریقہ کے عنوان سے دیا ہوا ہے، جس میں پاکستان کے شہروں کا فرق اس سے منٹوں میں جمع تفریق کے ساتھ دیا گیا ہے۔

جواب: نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے، یہ فی طور پر ایک بہت بڑی غلطی ہے اس غلطی کا علماء کرام کو پتا ہونا چاہئے جیسا کہ مساوات نمبر امیں دکھایا گیا ہے کہ میل شمس ”م“ کی تبدیلی سے فرق پڑتا ہے اس طرح عرض بلد ”ع“ کی تبدیلی سے بھی فرق پڑتا ہے اور یہ فرق روزانہ یکساں نہیں ہوتا۔ بلکہ روزانہ میل شمس کی تبدیلی کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ البتہ طول بلد کی وجہ سے جو فرق پڑتا ہے وہ مستقل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی جگہ کے اوقات کا نقشہ موجود ہو تو اس سے شرقاً غرباً ان مقامات کیلئے جن کا مذکورہ مقام کے ساتھ ٹھٹھا جنوباً کوئی فرق نہ ہو تو ان کے لئے تو ایک مستقل فرق جمع تفریق کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر دونوں مقامات کا عرض بلد مختلف ہو تو پھر ان کی حساب میں صرف طول بلد کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا سخت غلطی ہے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو کراچی اور کوئٹہ کے اوقات میں صرف ایک منٹ کا فرق ہونا چاہئے کیونکہ فلکیات جدیدہ کے مذکورہ جدول میں کراچی کے لئے 27 منٹ جمع کرنے کا اور کوئٹہ کے لئے 28 منٹ جمع کرنے کا بتایا گیا ہے حالانکہ نیچے مختلف

موسموں میں کراچی اور کوئٹہ کے اوقات دئے ہوئے ہیں اس میں دیکھا جائے کہ اصل فرق کتنا ہے؟

ذرا ان مختصر جدول پر نظر ڈالئے تو پتا چلے گا کہ صرف زوال کے وقت ایسا ہے جس میں فلکیات جدیدہ کا فارمولہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اگر باقی اوقات میں اس فارمولے کو استعمال کیا گیا تو نتیجہ کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔

تاریخ	کوئٹہ کے اوقات			کراچی کے اوقات		
	صبح صادق	زوال	عشاء	صبح صادق	زوال	عشاء
21 جون	03:57	12:37	09:17	04:17	12:36	08:56
21 ستمبر	05:02	12:28	07:53	05:07	12:28	07:48
21 دسمبر	06:01	12:33	07:05	05:53	12:33	07:12
21 مارچ	05:18	12:42	08:07	05:22	12:42	08:02

اس میں دو باتیں اور بھی سامنے آئیں وہ یہ کہ:

1- کراچی اور کوئٹہ کے اوقات میں فرق گرمی اور سردی میں تو زیادہ ہے

لیکن بہار اور شران میں بہت کم۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو پہلے عرض کی گئی اٹل

2- کوئٹہ اور کراچی کے اوقات میں فرق ہر وقت میں مختلف ہے۔

اس سے پتا چلا کہ اس طرح کو کوئی جدول جس میں کسی ایک جگہ کے اوقات دوسری

جگہ کے اوقات کے لئے سادہ جمع تفریق کے ساتھ استعمال ہو سکے ممکن نہیں۔ اس

لئے اس طریقے کو معروف اور مستعمل طریقہ کہنا بہت بڑی غلطی ہے۔

(فہم الکلیات، ص: 147 تا 148)

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ شرق و غرب میں قدیم و جدید ماہرین شخصیت کیسی غلطی

فرما چکے ہیں؟ جسے سید صاحب نے نشانہ ہی فرمادی۔ ایسی غلطی کے عموم اور اس پر تنبیہ حضرت مفتی رشید احمد لودھیؒ کو بھی فرما چکے ہیں:

”کئی جنزیوں میں مختلف مقامات کے ’فرق وقت‘ کی فہرست نظر سے گزری یہ فرق وقت صرف طول بلد کے حساب سے ہوتا ہے۔ حالانکہ نصف النہار کے سوا باقی سب اوقات پر عرض بلد کا بھی اثر پڑتا ہے اور ایک عرض بلد کے اوقات دوسرے عرض بلد سے مختلف ہوتے ہیں، لہذا آئندہ یا تو ایسی فہرست شائع ہی نہ کی جائے، ورنہ کم از کم یہ تنبیہ ضرور کر دی جائے کہ یہ فرق وقت صرف نصف النہار کا ہے، دوسرے اوقات کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں، دوسرے اوقات کی تخریج کا قاعدہ الگ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ج 2 ص: 361)

اگر ہم جدید مسائل میں بالخصوص جن مسائل میں فن داخل ہو چکا ہو، خود اپنی آنکھیں بند کر کے چلنا شروع کر دیں، بلکہ اس پر اکتفاء نہ کرے، مزید اس شخص کو طعن و ملامت کا نشانہ بنا کر اس کے راستے میں تاویلات فاسدہ اور بد اخلاقیوں کے روڑھے اٹکائیں جو دین و عبادات کی خاطر اس دشوار راہ پر پیدل چل پڑا ہو، تو پتہ نہیں سائنس کے کرشمے ہمیں کہاں سے کہاں لے جائیں گے۔ لہذا:

کشف الغطاء کے مؤلف کی خدمت میں گزارش:

گزارش یہ ہے کشف الغطاء کے مؤلف کو اگر فرصت ملے تو فلکیات جدیدہ میں لاہور کے نقشہ اوقات کے بعد متصل ”معروف و مستعمل طریقہ“ (۱) کے عنوان سے تقریباً

(۱) فلکیات جدیدہ، مولانا محمد موسیٰ روحانی ہارنٹی، ادارہ تصنیف و ادب، جامعہ اشرفیہ لاہور صفحہ نمبر ۲۸۴

پورے ایک صفحے پر مشتمل یہ محض طول بلد کی تفاوت ملاحظہ فرمائیں، امید ہے کہ محترم اسے کاتب کی غلطی نہیں قرار دیں گے، لہذا اس کی بنیاد پر راولپنڈی کے اوقات نکال کر نقشہ مرتب فرمائیں پھر اس پر عمل خود بھی کرے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ لگ پتہ جائے گا کہ موصوف (مفتی رضوان) خود اپنے ہی پیش کردہ بزرگوں کے نقشہ قدم پر کتنا چلتے ہیں؟

حیرت کی انتہاء :

ہم نے کشف الغطاء میں اکابر بزرگوں کے ان مشاہدات کا تذکرہ کیا تھا جن میں ان حضرات نے بالکل صراحت کیساتھ پرانے نقشے میں صبح صادق کے وقت صبح کاذب کا مشاہدہ فرمایا تھا۔ اور اس مشاہدے میں حضرت مفتی محمد شفیع سمیت گیارہ علماء کرام نے شرکت فرمائی تھی۔

کشف الغطاء کے مؤلف کو اسے بلاچوں چہاں تسلیم کرنا چاہئے تھا مگر انہوں نے جس انداز سے اس کی تعبیر بلکہ تحریف کی، اس فعل نے انہیں صبح صادق و کاذب کی ایک عجیب و غریب تشریح پر مجبور کیا۔ اور ہمارے محترم کو شاید پتہ ہی نہ چلا ہو کہ وہ کہاں سے کہاں اگر پڑے۔ محترم مؤلف نے جن تاویلات و تخریفات کا سہارا لیا شاید دنیا اسلام میں کسی مذہبی شخصیت نے ایسی حرکت کی ہو، یہاں ان سب کا بیان کرنا وقت ضائع کرنے کے سوا اور کچھ نہیں، ہم قارئین سے پر زور اپیل کرتے ہیں کہ اس پوری بحث کو ”صبح صادق کے متعلق چند اکابر کے اختلاف کی حقیقت“ کشف الغطاء صفحہ نمبر ۱۹۴ پر ضرور ملاحظہ فرمائیں یہاں صرف ایک فنی مہارت کے بارے میں عرض کیا جا رہا ہے۔

چند صفحات پہلے ہم نے جس چیز پر تعجب و حیرانگی کا اظہار کیا تھا وہ یہ مقام ہے۔ جس میں اکابر کی گیارہ رکنی جماعت کے ایک مشاہدہ پر موصوف نے کلام کیا ہے قارئین اسے پڑھیں

گئے تو ان کی بھی حیرت کی انتہاء نہیں رہے گی۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ خود مشاہدات کی صورت حال تحریر فرماتے ہیں:

”۱۳ جون، صبح کو تقریباً 3:30 بجے میدان میں سب حضرات پہنچ گئے اس وقت افق مشرق پر کسی قسم کی روشنی نہیں تھی ٹھیک 4 بجے افق پر خردلی طولانی روشنی نمودار ہوئی جسکو سب نے دیکھ کر صبح کا زب قرار دیا اور اس کے 17 منٹ بعد یعنی 4:17 پر صبح صادق واضح طور پر مشاہدہ کی گئی اسی پر سب کا اتفاق رہا۔ طلوع آفتاب 5:35 منٹ پر ہوا۔

تاریخ	صبح کاذب	صبح صادق	طلوع آفتاب
۱۲ جون	4:00 بجے	5:32 بجے
۱۲ جون	4:00 بجے	4:17 بجے	5:32 بجے

(احسن الفتاویٰ ج ۲، ص ۱۷۶)

آپ اس مشاہدے کو ملاحظہ فرمائیں کتنا صاف اور واضح مشاہدہ ہے، جس میں واضح طور پر گیارہ علمائے کرام کی جماعت نے نقشے میں دئے گئے وقت پر طولانی روشنی دیکھی ہے۔ جسے سب نے صبح کاذب قرار دے دیا۔ اور اس کے بعد جا کر ۱۷ منٹ بعد صادق کا مشاہدہ کیا گیا۔ مگر کشف الغطاء کے محترم نے اسے ہر صورت رد کرنا ہے۔ لہذا وہ لکھتے ہیں:

”اگر اس دن بھی موسم امرد آلود ہو تو اس سے بھی لازم نہیں آتا کہ جس وقت خردلی شکل کی طولانی روشنی دیکھی گئی وہ اس کی ابتداء تھی۔ بالخصوص جبکہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق صبح کاذب بعض اوقات صادق کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے، اور صبح صادق کی روشنی جب اس پر غالب آ جاتی ہے تب ہی وہ مضطرب و منکسر ہوتی ہے“

(کشف الغطاء ص ۲۲۲)

پہلی بات تو یہ ہے کہ موصوف کوئی ایک حوالہ پیش کرے کس فقیہ نے صبح صادق اور کاذب کا یہ مرکب بیان کیا ہے کہ صبح صادق کی روشنی میں کاذب کی روشنی چھپ جاتی ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ بعض اوقات کا حربہ ہر جگہ کسی کا کام نہیں آتا موصوف (مفتی رضوان) وضاحت کریں کہ اگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے تو ہر وقت کیوں نہیں ہوتا؟ تیسری بات یہ کہ مؤلف نے چونکہ صرف فقہاء کرام کی عبارات کمپیوٹر پر دیکھی ہیں، اور آسمان کی طرف کہیں دیکھنے کی توفیق نہ عشاء کے لئے ہوئی اور صبح کے لئے (۱) تو اسی طرح عجیب و غریب انکشافات کرتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں اس دن بادل بزرگوں کو تو نظر نہیں آیا اور آج محترم مؤلف فنی مہارت اور خاص کر ”بعض زمان و مکان“ کا فارمولہ بروئے کار لا کر اسے بادل قرار دے رہے ہیں۔ محترم نے اپنے کلام میں مندرجہ ذیل باتیں لکھی ہیں:

(۱) ”.... اگر اس دن بھی موسمِ ابر آلود ہو تو اس سے بھی لازم نہیں آتا کہ جس وقت مخروطی شکل کی طولانی روشنی دیکھی گئی وہ اس کی ابتداء تھی“ _____ یہ لکھتے وقت محترم کو یہ عبارت نظر نہیں آ رہی تھی کہ _____ ”اس وقت افق پر مشرق پر کسی قسم کی روشنی نہیں تھی“ _____ اور نہ محترم نے ”ٹھیک 4 بجے“ والے الفاظ کی طرف توجہ فرمائی۔ ان عبارات کو غور سے پڑھنے کی توفیق ہوتی تو محترم مؤلف روشنی کے اس ظہور کو ”ابتداء“ کے منافی نہ قرار دیتے۔

(۲) ”.... صبح کاذب بعض اوقات صادق کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے۔ اور صبح صادق کی روشنی جب اس پر غالب آ جاتی ہے تب ہی وہ متصل و منکتم ہوتی ہے“ _____ حالانکہ صبح کاذب کی روشنی ہوتے ہوئے کسی نے آج تک یہ بات نہیں لکھی ہے کہ کاذب کی روشنی کے ہوتے ہوئے

کچھ صادق کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے۔ اس بات کی توقع اس شخص سے کی جاسکتی ہے کہ خود کو مشاہدے کے قریب جانا نہیں اور دوسروں کے صحیح مشاہدات کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ کشف الغطاء کے محترم مؤلف کی طرف سے دوسروں کو جہالت و غفلت کے طعنوں اور آخرت کی فکر دلانے کو دیکھ کر کسی کے حاشیہ خیال میں نہیں آتا تھا کہ وہ خود اپنی نصیحت ہی بھول جائیں گے۔۔۔۔۔ آگے ملاحظہ فرمائیں، مگر:

سر تھام کر پڑھیں :

جس بات پر حد درجہ کی حیرت کے الفاظ قلم سے نکلے تھے وہ اس بات پر تھے کہ مؤلف مذکور تاویلات کرتے کرتے ایسے مقام پر فائز ہو گئے کہ شرعی احکام کی تشریحات کا اختیار نہیں عطاء کیا گیا۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں کہ صبح کاذب و صادق کا کیا حشر کر دیا۔ مذکورہ بالا تشریح کرنے کے بعد مشاہدہ مذکورہ سے انکار کی خاطر بیک وقت کاذب و صادق کے دونوں کے وجود و ظہور کے قائل ہو گئے۔ لکھتے ہیں:

”لہذا اول طلوع صبح صادق کے کچھ لمحات بعد تک کاذب کے نظر آنے کا امکان ہوتا

ہے جو تبیین فجر (نہ تبیین خط فجر) پر ختم ہوتا ہے“..... (کشف الغطاء، ص: ۲۲۲)

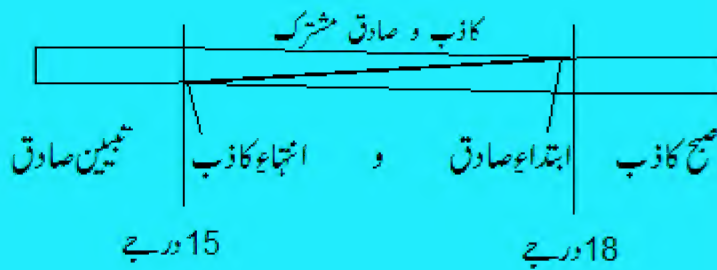
دیکھا! فرماتے ہیں کہ صبح کاذب تبیین خط فجر کے ساتھ نظر آسکتی ہے۔ یعنی ”حسنی تبیین لکم المحیط الابيض من الفجر“ واقع ہو جائے گا اور ابھی صبح کاذب غائب نہیں ہو چکی ہوگی۔

اور قارئین کو یہ بات نہیں بھولنا چاہئے کہ محترم مؤلف کے نزدیک ایک ”تبیین خط ابیض“ ہے، جو ۱۸ درجے پر واقع ہوتا ہے، جبکہ دوسرا ”تبیین فجر“ ہے، جو کہ ان کے نزدیک ۱۵ درجے پر واقع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ محترم کے نزدیک صبح کاذب ۱۵ درجے پر

کئی ختم ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔۔۔ ”جو تبیین فجر (نہ کہ تبیین خط فجر) پر ختم ہوتا ہے“۔۔۔ الحمد للہ اس سے تو قائلین 15 کلد عا ثابت ہو گیا۔

یہ ۱۵ درجے تک صبح کاذب کے وجود کا نظریہ اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ اکابر نے چونکہ ۸ درجے پر کاذب کا مشاہدہ کیا اور پھر ۱۵ درجے کے مطابق صبح صادق کا مشاہدہ فرمایا تو مولف مذکور نے ایسا کیا کہ مشاہدہ کاذب کو بحال رکھا مگر ہا دل لگا کر اس کا وجود پہلے سے قرار دے دیا۔ پھر بزرگوں نے ۱۵ پر جو مشاہدہ فرمایا اسے ”تبیین فجر“ اس لئے قرار دے دیا، تاکہ تبیین خط کو اس سے پہلے وہاں جگہ مل سکے جہاں کاذب کا مشاہدہ کیا گیا تھا، بزرگوں نے 4 بجے (18 درجے پر) مشاہدہ کاذب کا کیا اور مولف نے محنت کر کے تبیین خط ملا دیا۔ اب آگے کاذب کم ہوتی چلی جائے گی اور تبیین خط بڑھتے بڑھتے تبیین فجر پر پہنچ جائے گی یہاں تک کہ 15 درجے کا مقام آجائے تو کاذب ختم ہو جائے اور تبیین فجر واقع ہو جائے۔ کو یا کہ تبیین خط سے تبیین فجر تک یہ 3 درجے صادق و کاذب نے مل کر گزرارے۔

موصوف (مفتی رضوان) کی سوچ کے مطابق اکابرؒ کے مشاہدات سے فجرین کا جو مجموعہ مرکب سامنے آ گیا اس کا خلاصہ یہ کہ:۔۔۔ پہلے سے کاذب طلوع ہوئی تھی جسے بزرگوں میں سے ایک نے بھی نہیں دیکھی، پھر ۱۸ درجے پر جو مشاہدہ بزرگوں نے کیا وہ کاذب کے درمیانی لمحات تھے جو صادق کے تبیین خط فجر کے ساتھ ساتھ چلتی رہی (اگرچہ اس دوران اکابر کو صرف کاذب نظر آ رہی تھی، نہ کہ خط فجر صادق) پھر ۱۵ درجے (بقول مولف تبیین فجر) پر کاذب ختم ہو گئی اور بزرگوں نے جو صادق کا مشاہدہ کیا تھا وہ تبیین فجر تھا۔ کاذب و صادق کا یہ نیا نظریہ مندرجہ ذیل گراف سے واضح ہے، جس میں 18 تا 15 کا دورانیہ فجرین کا مشترکہ ظاہر ہے:



عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی دعویٰ جب سامنے آتا ہے تو دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے، مگر ہم یہاں کشف الغطاء کے مؤلف سے اس بدیہہ البطلان نظریے دلیل کا مطالبہ بھی علم و فن کی توہین سمجھتے ہیں۔ اس پر لا حول و لا قوۃ الا باللہ ہی پڑھا جاسکتا ہے۔ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ ہوا ہوا ہے کیونکہ اگلے صفحے پر یہ مضمون دہرایا گیا ہے:

”دوسرے کاذب کی روشنی کا بعض اوقات ابتدائے طلوع صبح صادق کے کچھ بعد تک نظر آنے کا امکان ہے، اور فنی اعتبار سے بھی مدوجی روشنی میں یہ امکان موجود ہے، مکمل“

(کشف الغطاء، ص: ۲۲۳)

اب قارئین اللہ تعالیٰ کو کوہ بنا کر فرمائیں کہ کیا صبح صادق کے بارے میں یہ کہ ”کاذب کی روشنی کا بعض اوقات ابتدائے طلوع صبح صادق کے کچھ بعد تک نظر آنے“ کی بات کا کہیں ثبوت مل سکتا ہے؟ تو پھر مؤلف یہاں تک کیوں تحریفات فی الشرع کا ارتکاب کرتے چلے جا رہے ہیں؟ اس لئے کہ مشاہدہ میں واقعی ۱۸ پر کاذب اور ۱۵ پر صادق کی روشنیاں نظر آتی تھیں۔ اکابر کے واضح مشاہدات سے اگر کسی کو تکلیف ہو رہی ہو تو ماننے کی اگر ہمت نہیں تو اسے برداشت کرے لیکن دین و شرع کا حلیہ بگاڑنے کی کوشش تو نہ کریں۔

موصوف (مفتی رضوان) سے چند سوالات :

سوالات: محترم مؤلف مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات ارشاد فرمائیں:

(۱) جس موسم میں صبح صادق (یعنی حتیٰ یبیین لکم الخیط الابيض) ظاہر ہو جائے مگر ابھی بقول مؤلف صاحب صبح کاذب ”طلوع صبح صادق کے کچھ بعد تک نظر آئے“ تو روزہ اور نماز کے حوالے سے کس کا اعتبار ہوگا؟

(۲) جب کاذب و صادق دونوں نظر آرہے ہوں، تو بیک وقت دونوں کے احکام کیسے نافذ ہونگے؟

(۳) اگر تمییز خط کا اعتبار کر کے روزہ بند اور نماز فجر جائز قرار دیا جائے تو کیا صبح کاذب نظر آتی ہوئی نماز فجر کا وقت داخل سمجھا جائے گا؟ جبکہ بیاض مستطیل کے ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سحری کی اجازت اور نماز کی ممانعت فرمائی ہے۔

(۴) اور اگر کاذب کا اعتبار کیا جائے تو کیا تمییز خط کے ہوتے ہوئے، ابھی رات سمجھنا ارشاد باری تعالیٰ حتیٰ یبیین لکم الخیط الابيض کے منافی نہیں ہوگا؟

(۵) مؤلف فرماتے ہیں صبح کاذب حقیقی لیل میں داخل ہے اور صادق نہار شرعی کا مبداء ہے تو سوال یہ ہے کہ یہاں ایک ہی وقت میں دن و رات کا اجتماع (یعنی رات بھی اور دن بھی) کس عقل و فن کا انکشاف ہے؟

(۶) کیا بیک وقت دن رات دونوں کا وجود اجتماع ضدین میں داخل نہیں؟

(۷) مشاہدے میں بزرگوں نے صاف صاف لکھا ہے۔

(الف) 18 سے پہلے بالکل روشنی نہیں تھی، آپ فرما رہے ہیں کہ کاذب کی روشنی تھی

(ب) ٹھیک 18 کے مطابق جب روشنی نمودار ہوئی تو وہ طولانی تھی اور سب نے

کاذب قرار دیا، آپ نے فرمایا اس وقت دراصل کاذب اور صادق دونوں روشنیاں تھیں۔

(ج) پھر اکابر فرماتے ہیں کہ یہی روشنی غائب ہوگئی اور فوراً دوسری مستطیر روشنی نمودار ہوگئی اور یہی 15 درجے کے مطابق تھا اور اسے سب نے بالاتفاق صادق قرار دے دیا اور آپ فرماتے ہیں کہ نہیں جی یہ تو 3 درجے پہلے ظاہر ہوئی تھی لیکن اس وقت یہ تبیین خط کا مرحلہ تھا اور اکابر نے جو دیکھا یہ تبیین خط نہیں بلکہ تبیین فجر کا مرحلہ تھا۔

ابھی آپ ہی یہ تشویش ختم کر سکتے ہیں، لہذا ارشاد فرمائیں کہ اکابر جو اپنا مشاہدہ ریکارڈ کر رہے ہیں ان کا بیان درست ہے یا جو ابھی آپ ان کا نقشہ کھینچ رہے ہیں یہ درست ہے؟

کیا اکابر نے ۱۵ درجے کا فیصلہ نہیں کیا تھا؟

کشف الغطاء کے مؤلف تحریر فرماتے ہیں؛

”چنانچہ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی تحریر میں تردد پیدا ہونے اور بعد میں اس تردد کے رفع ہونے کا واضح طور پر ذکر ہے اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ کی تحریر میں پوری تحقیق کا موقع نہ ملنے اور اس لئے احتیاطاً فتویٰ دینے اور بعد میں پایہ تحقیق تک پہنچنے کے بعد قدیمی نقوشوں کے بارے میں بالکل صحیح ہونے کا حکم مذکور ہے“

(کشف الغطاء، ص: ۲۲۶)

مذکورہ بالا اقتباس سے مؤلف مذکور کا منشاء بالکل واضح ہے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ

اکابر ۱۵ درجے کے بعد ۱۸ درجے کا قول درحقیقت رجوع ہے ہی نہیں، کیونکہ رجوع تو ایک اختیار کردہ موقف کو چھوڑ کر دوسری رائے اختیار کرنے کا نام ہے اور یہاں بقول مولف بزرگوں نے ابھی آخری فیصلہ ہی نہیں کیا تھا بلکہ تردد ہو گیا تھا جو کہ بعد میں دور ہو کر قدیم نقشوں کی توثیق کی شکل میں سامنے آ گیا۔

ہم عرض کرتے ہیں کہ بقول مولف (مفتی رضوان) اکابرؒ نے کوئی موقف اختیار نہیں کیا تھا اور یہ ۱۵ والا قول صرف تردد کے طور پر اختیار کیا تھا، اور یہی مند و آدم کے مشاہدات والا سلسلہ آگے بڑھ کر تردد کے خاتمے پر منتج ہوا اور بالآخر متفقہ فیصلہ ۱۸ درجے کے مطابق طے ہو گیا۔ اگر یہی بات ہے تو موصوف محترم مندرجہ ذیل منعقدہ اجلاس کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ اس کے کس جملے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابھی تک سلسلہ تحقیق مکمل نہیں ہوا تھا اور آگے اس سلسلے نے مزید مختلف مراحل میں بڑھنا تھا۔ موصوف نشاندہی فرمائے:

منعقدہ دارالعلوم کراچی ۱۳ ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ

”اس مجلس میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب کے رسالہ صبح صادق کے دلائل پر غور کیا گیا اور متعلقہ کتب کی مراجعت کی گئی نیز مسئلہ کی تحقیق اور مشاہدات کے لئے ٹڈو آدم کا جو سفر کیا گیا تھا اس کے نتائج زیر غور آئے، بحث و تمحیص کے بعد مندرجہ ذیل باتیں پایہ ثبوت کو پہنچ گئیں:

☆ مسئلہ کے زیر غور آنے کے بعد متفرق ایام میں جتنے مشاہدات کئے گئے ان میں سے کسی میں بھی مرہجہ جنتریوں کے مطابق صبح صادق نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد ہوئی۔

☆ ان سب امور سے ثابت ہوتا ہے کہ مردِ بدِ جنسیتوں میں صبح صادق کے نام سے جو وقت درج لکھا گیا ہے وہ درحقیقت صبح کاذب کا ہے۔

☆ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے صبح صادق کے جواوقات نکالے ہیں ان کا مقابلہ سنڈو آدم کے مشاہدات سے کیا گیا فرق صرف ایک منٹ کا تھا۔

☆ بہر کیف مذکورہ بالا تحقیق سے ہمیں بھی یہ ظن غالب ہوتا ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد صاحب نے حسابی طریقہ سے جواوقات نکالے ہیں وہ درست ہیں۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۴ ارڈی قعدہ سنہ ۹۲ ہجری

حضرت مفتی رشید احمدؒ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہم

حضرت مولانا محمد عاشق الہیؒ

قارئین کرام !

خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ اسی فیصلے سے کیا مستفاد ہو رہا ہے، کیا اس فیصلے کی وجہ سے بزرگوں کو زد و دوں کیا تھا یا یہ کہ تر دہ ختم ہو کر ۱۵ درجے پر اطمینان حاصل ہو گیا تھا؟

احقر

شوکت علی قاسمی

۲۴ شوال ۱۴۳۲ھ

بمطابق 22 ستمبر، 2011ء

صبح صادق اور صبح کاذب کے موضوع پر مصنف کی دیگر تصانیف

کَشْفُ السُّتْرِ

عن اوقات

العشاء والفجر

صبح صادق اور صبح کاذب کے بارے میں

ایک علمی اور تحقیقی جائزہ

شوکت علی قاسمی

کَشْفُ الغِشَاءِ

عن اوقات

الفجر والعشاء

صبح صادق و کاذب اور وقت عشاء کی تحقیق

مؤلف: مفتی محمد رفیع الرحمن صاحب

کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

شوکت علی قاسمی

کشف السُّتُور

عن مافی کشف الغطاء

بین السُّطُور

”کشف الغشاء عن اوقات الفجر والعشاء“

کے جواب میں لکھی گئی کتاب

”کشف الغطاء عن وقت الفجر والعشاء“

کا محققانہ اور مدلل جواب

شوکت علی قاسمی

اوقات نماز کا نقشہ

کونسا شرعی اور کونسا جمہوری؟

۱۸ درجے پر مبنی نکتہ چھاپ میں شائع کردہ پرانے نقشے

مرتبین: مجلس التحقیق الاسلامی

کا علمی جائزہ

اور ۱۵ درجے پر مبنی تحقیقی نقشے کا تعارف

شوکت علی قاسمی

مصنف کی دیگر تصانیف

